ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

خصوصی اشاعت

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان

UNDP
پاکستان

© UNDP Pakistan

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان، ملک میں اہم ترقیاتی مسائل اور مشکلات پر خیالات کے تبادلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔اس کے ہر سہ ماہی شمارے میں ترقی سے متعلق ایک موضوع کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے عوامی بحث کی راہ ہموار کی جائے گی اور سوّل سوسائٹی، تدریسی حلقوں، حکومت اور ترقیاتی پارٹنرز کے مختلف نقطہ نظر پیش کئے جائیں گے۔ اس جریدے کے ذریعے ہونے والی بحث میں نوجوانوں اور خواتین کی آراء شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ تجزیوں اور رائے عامہ پر مبنی آرٹیکلز ترقی سے متعلق نئے خیالات پر بحث کو فروغ دیں گے اور اس کے لئے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معلومات بھی پیش کریں گے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

اگنیشیو ارتزا
ریزیڈنٹ ریپریزنٹیٹو، قائمقام انچارج، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

شکیل احمد
اسٹنٹ ریزیڈنٹ ریپریزنٹیٹو/ چیف، ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

عادل منصور
اسٹنٹ ریزیڈنٹ ریپریزنٹیٹو/ چیف، بحران کی روک تھام اور بحالی یونٹ
اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

قیصر اسحاق
اسٹنٹ ریزیڈنٹ ریپریزنٹیٹو/ چیف، جمہوری طرز حکمرانی یونٹ، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

امان اللہ خان
اسٹنٹ ریزیڈنٹ ریپریزنٹیٹو/ چیف انوائرمنٹ اینڈ کلائمیٹ چینج یونٹ
اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

فاطمہ عنایت
کمیونیکیشنز اینالسٹ، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، پاکستان

وضاحت

اس جریدے میں شامل ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان یا دیگر بیرونی افراد کی تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ضروری نہیں کہ اس ادارے کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوں جن کے لئے وہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی آراء ایک ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ایڈیٹوریل ٹیم: ماہین حسن، عمر ملک

ڈیزائنر: حنات احمد

پرنٹر: گل اعوان پرنٹرز، اسلام آباد

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ
چوتھی منزل، سیرینا بزنس کمپلیکس، خیابان سہروردی، سیکٹر G-5/1،
پی او بکس 1051، اسلام آباد، پاکستان

اپنی تحریریں اور جوابی آراء ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں: pak.communications@undp.org

ISBN: 978-969-8736-24-8

اس خصوصی شمارے کی تیاری کے سلسلے میں ہمیں مختلف حلقوں کی جانب سے بھرپور معاونت حاصل رہی ہے جن میں یو این ڈی پی بلوچستان ٹیم کے جناب ذوالفقار درانی (پراونشل ریپریزینٹیٹو)، محترمہ ثمن بختاور (تجزیہ نگار شعبہ معاشیات)، جناب حبیب اللہ نصر (تجزیہ نگار سماجی پالیسی)، جناب داؤ دنگیال (پراونشل لیژون آفیسر)، محترمہ شمائلہ کامل (ایڈمن اینڈ فنانس ایسوسی ایٹ)، جناب ظہور احمد تاران (مانیٹرنگ اینڈ ایویلیوشن آفیسر) اور جناب محمد مری (کمیونیکیشن آفیسر) قابل ذکر ہیں۔

فہرست
دسمبر ۲۰۱۸

تجزیئے

02 بلوچستان: مشکلات اور مواقع

آراء

12 انسانی سرمایہ پر سرمایہ کاری کی کمی:
بلوچستان کی سماجی و معاشی ترقی میں رکاوٹ
محفوظ علی خان

14 چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک)
اور بلوچستان
رفیع اللہ کاکڑ

16 بلوچستان کا سماجی شعبہ
پروفیسر ڈاکٹر رخسانہ جبیں

18 بلوچستان کے آبی وسائل اور ان کا نظم و نسق - اہم مسائل
ڈاکٹر شاہد احمد

21 بلوچستان اور صنفی امور
ریحانہ خلجی

23 بلوچستان میں مواقع: روشن مستقبل کی نوید
محمد نوید افتخار

25 نوجوان: بھولی بسری ترجیح
فاطمہ ننگیال خان

انٹرویو

27 سردار بابر خان موسیٰ خیل
ڈپٹی سپیکر، صوبائی اسمبلی، بلوچستان

28 ثناء درانی
چیئرپرسن، بلوچستان ویمن بزنس ایسوسی ایشن
ایگزیکٹو ممبر، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری

29 کومل شاہ آفریدی
صدر ٹرانس جنڈر سوسائٹی، کوئٹہ
غزالہ
رکن، خواجہ سرا برادری

30 ضیاء خان
بانی، کوئٹہ آن لائن اینڈ بلوچستان آن لائن
سماجی کارکن

نوجوانوں کی آواز

31 مراد کاکا خیل
سنگین خان
اکبر سردار
گوشو درانی
ثناء آفریدی
اسراء بلوچ

Follow us

/undppakistan

www.twitter.com/undp_pakistan

www.pk.undp.org

© UNDP Pakistan

بلوچستان کی ترقی کا تصور

بلوچستان رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ یہ منفرد خصوصیات صوبے کی ترقی کے لئے مشکلات بھی پیدا کرتی ہیں اور مواقع بھی۔ منفی پہلو یہ ہے کہ بلوچستان کثیر جہتی غربت کی شرح کے اعتبار سے سابقہ 'وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات' کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ مثبت رخ یہ ہے کہ صوبہ قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال ہے جو یہاں خوشحالی لا سکتے ہیں۔ تاہم لاتعداد مسائل کی بناء پر یہ صوبہ اپنی استعداد سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا پایا۔ ان میں سے کچھ مسائل کا احوال ذیل میں دیا گیا ہے۔

صوبے میں منصوبہ سازی اور مالی امور کے نظم و نسق میں بڑی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ 7 ویں قومی مالیاتی کمیشن (این ایف سی) کی بدولت مرکزی حکومت کی طرف سے بلوچستان میں مالی وسائل کا بہاؤ، جو چھٹے این ایف سی میں 7 فیصد تھا، بڑھ کر 9 فیصد تک پہنچ گیا۔ تاہم صوبے کے سماجی و اقتصادی اشاریوں میں خاطر خواہ بہتری لانے کی ضرورت آج بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ صوبے کے لئے مختص کئے جانے والے سرکاری شعبے کے ترقیاتی پروگرام (پی ایس ڈی پی) کی کارکردگی خاصی پست رہی ہے۔ مثال کے طور پر تعلیم بدستور بلوچستان کی ترقی میں درپیش ایک بڑا چیلنج ہے لیکن پی ایس ڈی پی میں اس کا حصہ وقت کے ساتھ کم ہوتا جا رہا ہے جو 15-2014 میں 23 فیصد تھا اور 19-2018 میں 14 فیصد رہ گیا۔ پی ایس ڈی پی کے تحت مختص کی جانے والی رقوم کے سلسلے میں صوبے کی ترقیاتی مشکلات کی روشنی میں ترجیحات کے تعین کی ایک مشق بہت ضروری ہے۔ اگر ایسا کوئی طریقہ اپنایا جاتا ہے تو وسائل کی تخصیص میں صحت اور تعلیم کے شعبے اولین ترجیح کے طور پر ابھر کر سامنے آئیں گے۔

منصوبہ سازی اور نظم و نسق سے متعلق دوسرا مسئلہ جانچ پرکھ اور اثرات کے تجزیہ کے ایک باقاعدہ نظام کا فقدان ہے۔ رقوم کی تخصیص زیادہ تر ایک ایسی سوچ کے تحت کی جاتی ہے جسے بہترین لفظوں میں بتدریج سوچ کا نام دیا جا سکتا ہے یعنی ہر سال گزشتہ سال ترقی کے لئے مختص کی گئی رقوم میں ایک خاص فیصد تناسب کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور ایسا کوئی تجزیہ نہیں کیا جاتا کہ ترقی کے تقاضے کیا ہیں یا ماضی میں مختص کی گئی رقوم نے کیا اثرات دکھائے۔ محکمہ منصوبہ بندی و ترقی کی جانب سے پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے سلسلے میں انجام دی گئی ترجیحات کے تعین کی مشق ایک درست اقدام ہے کیونکہ اس تجزیہ کو صوبائی بجٹ اور خاص طور پر پی ایس ڈی پی سے رقوم کی محکمہ جاتی اور شعبہ جاتی تخصیص سے متعلق فیصلوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک)، صوبے کی سماجی و اقتصادی ترقی میں کلیدی کردار ادا کر سکتی ہے کیونکہ اس کا مغربی روٹ پاکستان اور بلوچستان کے انتہائی مفلوک الحال علاقوں سے گزرتا ہے۔ سی پیک کے ذریعے اگر شدید ترین محرومیوں کا شکار اضلاع اور علاقوں کو منڈیوں اور سماجی خدمات کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اس کے قابل ذکر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

سی پیک کی افزائش کے سلسلے میں مرکزی محرک کے طور پر گوادر کی ترقی کو بھی کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں چین کے اس تجربے سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے جس کے تحت اس نے اپنے ہاں دوسرے درجے کے شہروں کو ترقی دی ہے۔ شہر کا طرز حکمرانی مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ گوادر کو ایک جدید اور پائیدار شہر کے طور پر ترقی دینے کے لئے ناگزیر ہوگا کہ شہر کو ایک با اختیار میئر کے حوالے کیا جائے جسے شہری طرز حکمرانی کے باقاعدہ اور واضح طور پر طے شدہ ڈھانچے کی معاونت حاصل ہو۔

بلوچستان میں آبادی کی گنجانی ملک میں سب سے کم ہے۔ اس بناء پر عوامی سماجی خدمات کی فراہمی انتہائی مہنگی ہو جاتی ہے۔ ثقافتی رکاوٹوں سے قطع نظر، دیگر ملکوں سے ایسی کئی مثالیں مل جاتی ہیں جن سے حکومت استفادہ کر سکتی ہے۔ مثلاً آسٹریلیا کو دیکھ لیں، وہاں بھی جگہ جگہ تھوڑی تعداد میں مقیم آبادی کو معاشی اور سماجی خدمات فراہم کی جا رہی ہیں۔ ایک اور ماڈل یہ ہو سکتا ہے کہ آبادی کو مراعات کے ذریعے مرکزی علاقوں میں رہنے پر مائل کرنے کے لئے اقتصادی و سماجی ترقی کے مراکز بنائے جائیں اور انہیں ترقی دی جائے جس کے لئے ضروری ہوگا کہ حکومت دوسرے درجے کے شہروں کی ترقی پر توجہ دے۔

قدرتی وسائل کے ساتھ ساتھ مویشی خاص طور پر یہاں کی دیہی آبادی کا اہم ترین ذریعہ معاش ہیں۔ مویشیوں کی پرورش کو گوشت کی صنعت میں بدلنے کے لئے بھرپور کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ صوبے کی مویشی آبادی تقریباً 34 ملین ہے جو پورے ملک کی مویشی آبادی کا تقریباً 40 فیصد بنتی ہے۔ اس بناء پر یہ شعبہ غربت میں کمی لانے اور معاشی افزائش بہتر بنانے کی بے پناہ استعداد رکھتا ہے۔ سی پیک روٹ کے گرد گوشت کی صنعت کو ترقی دینے سے گوشت کی پیداوار کو قومی اور بین الاقوامی منڈیوں کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔

آخری مگر سب سے اہم، مضبوط سیاسی ادارے بلوچستان کی طویل مدتی اور پائیدار ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ 2018 کے عام انتخابات میں بلوچستان میں رائے دہندگان کے ووٹ دینے کا تناسب 45.3 فیصد رہا جو چاروں صوبوں میں سب سے کم ہے (پنجاب میں 58.6 فیصد، سندھ میں 47.6 فیصد اور خیبر پختونخواہ میں 45.5 فیصد)۔ خواتین کی شمولیت بھی محض 40 فیصد کی شرح پر اتنی ہی ناقص ہے اور یہ بھی تمام صوبوں میں سب سے کم ہے۔ دیگر اقدامات کے ساتھ ساتھ مقامی حکومتوں کا ایک با اختیار نظام صوبے میں پائیدار سیاسی اداروں کے قیام میں اہم کردار ادا کرے گا۔ مقامی حکومتوں کا نظام نچلی سطح پر سیاسی قیادت کی فعالی اور ترویج میں ایک موثر آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیاست اور تعمیر وطن میں یہ بالخصوص خواتین اور دیگر محروم طبقات کی شمولیت وسیع بنانے میں انتہائی کارآمد رہا ہے۔

بلوچستان میں افزائش اور ترقی کی اس قدر استعداد موجود ہے کہ یہ قومی سطح کی افزائش اور ترقی میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اصل ضرورت حکومت کے اندر اور باہر مضبوط اداروں کی ہے۔ نجی ہوں یا سرکاری، تمام متعلقہ فریقوں کی بھرپور کوششیں صوبے کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لئے ناگزیر ہیں۔ یہ امر حوصلہ افزاء ہے کہ اس سمت میں بعض اقدامات کئے گئے ہیں۔ 'بلوچستان کی جامع ترقی و افزائش کی حکمت عملی' جس کی تیاری کا کام جاری ہے، کو ایک ایسے ہمہ گیر ادارہ جاتی فریم ورک کی فراہمی کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے جس کی روشنی میں صوبے کو طویل مدتی اور پائیدار ترقی کی راہ پر ڈالا جا سکے۔

تجزیئے

بلوچستان: مشکلات اور مواقع

بلوچستان کا تعارف: پاکستان کے لئے اس کی اہمیت

پاکستان کے کل زمینی رقبہ کے 43.6 فیصد[1] پر مشتمل بلوچستان، ملکی افزائش کے اعتبار سے مستقبل کے لئے بے پناہ استعداد کا حامل ہے۔ تاہم آبادی کے لحاظ سے دیکھیں تو ملک کی کل آبادی کا محض 6 فیصد لوگ یہاں بستے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ صوبے میں انسانی ترقی کے اشاریے طویل عرصے سے ملک میں بدترین شمار ہوتے ہیں۔[2] نتیجہ یہ ہے کہ صوبے کی ترقی پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔

البتہ یہ صوبہ مواقع کی سرزمین بھی ہے۔ یہ یورینیم، تانبے، کوئلے، سونے، چاندی، پلاٹینم اور ایلومینیم جیسے معدنیات سے مالا مال ہے اور ملک کی قدرتی گیس کا تقریباً ایک تہائی یہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ ذخائر ملک میں معدنی اور توانائی کے کل وسائل کا تقریباً 20 فیصد بنتے ہیں۔

حالیہ عرصے کے دوران ''ون بیلٹ ون روڈ'' پروگرام کے تحت چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کی بدولت یہ صوبہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ صوبے کے عوام کے لئے اس بلند نظر ایجنڈا کے حقیقی ثمرات پر بحث ابھی جاری ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پروگرام اور اس کے ساتھ ساتھ سمندری بندرگاہوں کی بدولت بلوچستان کو قومی اور علاقائی ترقی میں ایک سٹریٹجک کردار کی حیثیت دلانے میں مدد ملے گی۔

بلوچستان کی ترقی کا سفر

i. بلوچستان کی کثیر جہتی غربت

کثیر جہتی غربت انڈکس کے مطابق بلوچستان میں کثیر جہتی غربت سب سے بلند اور پنجاب میں سب سے پست ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کے اندر مختلف علاقوں کے درمیان غربت کے لحاظ سے کس قدر شدید فرق پایا جاتا ہے۔ دیہی غربت کے مقابلے میں شہری غربت نمایاں حد تک کم ہے۔ رپورٹ سے صوبوں کے درمیان فرق بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی کثیر جہتی غربت انڈکس میں فردشماری کا تناسب پنجاب میں 31.4 فیصد (48.8 فیصد کی شدت کے ساتھ) ہے تو بلوچستان میں 71.2 فیصد (55.3 فیصد کی شدت کے ساتھ) (جدول 1)۔[3]

جدول 1: کثیر جہتی غربت انڈکس (ایم پی آئی): صوبوں کا موازنہ (فیصد)

صوبہ/علاقہ	قدر: ایم پی آئی	شرح (فردشماری)	شدت
سندھ	0.231	43.1	53.5
پنجاب	0.152	31.4	48.4
خیبر پختونخواہ	0.250	49.2	50.7
بلوچستان	0.394	71.2	55.3
آزاد جموں وکشمیر	0.115	24.9	46.3
گلگت بلتستان	0.209	43.2	48.3

بحیثیت مجموعی بلوچستان میں فردشماری غربت 71.2 فیصد ہے جو پاکستان کے تمام صوبوں میں سب سے بلند ہے۔ غربت کی شرح کے اعتبار سے شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان بھی شدید فرق پایا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں فردشماری غربت 84.6 فیصد ہے جبکہ دوسری جانب شہری علاقوں میں یہ 37.7 فیصد ہے۔ اس فردشماری غربت کا موازنہ 38.8 فیصد کی مجموعی قومی شرح سے کریں جس میں شہری غربت 54.6 فیصد اور دیہی غربت 9.4 فیصد ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ صوبہ بری طرح پیچھے ہے اور اسے ملک کے باقی علاقوں کے برابر لانے کے لئے پورے نظام کی اوور ہالنگ کی ضرورت ہے۔ مزید برآں، غربت کی شدت جو بلوچستان میں 55.3 فیصد ہے، کے اعتبار سے صوبے کا موازنہ دیگر صوبوں کے ساتھ کریں تو بھی اس کی کارکردگی اتنی اچھی نہیں ہے۔[4]

پاکستان میں غربت کی سب سے بلند شرح کا حامل ضلع قلعہ عبداللہ، بلوچستان میں واقع ہے۔ صوبے کے دیگر اضلاع کا کثیر جہتی غربت انڈکس بھی بلند ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غربت نے پورے صوبے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ (جدول 2)۔

صوبے کی سطح پر کثیر جہتی غربت انڈکس میں جن اشاریوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے ان میں سکول تعلیم کے سال (28.3 فیصد) سرفہرست ہیں جس کے بعد صحت سہولیات تک رسائی (17.3 فیصد) اور بچوں کی سکول حاضری (10.5 فیصد) آجاتے ہیں۔ جہتوں کی سطح پر کثیر جہتی غربت انڈکس میں تعلیم سے محرومی کا حصہ سب سے زیادہ (42.9 فیصد) ہے جس کے بعد رہن سہن کے معیارات (27.1 فیصد) اور صحت (24.4 فیصد) آجاتے ہیں۔[5]

یہ قومی رجحانات کا عکس ہے جس میں سکول تعلیم کے سالوں کا کثیر جہتی غربت انڈکس میں حصہ (29.7 فیصد) سب سے زیادہ ہے جس کے بعد صحت سہولیات تک رسائی (19.8 فیصد) اور بچوں کی سکول حاضری (10.5 فیصد) آجاتے ہیں۔ جہتوں کی سطح پر بھی ملتا جلتا رجحان دیکھنے کو ملتا ہے جہاں کثیر جہتی غربت انڈکس میں سب سے بڑا حصہ تعلیم سے محرومی (42.8 فیصد) کا ہے جس کے بعد رہن سہن کے معیارات (31.5 فیصد) اور صحت (27.7 فیصد) آجاتے ہیں۔[6] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں سطحوں پر ان ترجیحات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ تاہم سب سے اہم بات یہی ہے کہ صوبے کی سطح پر ان اشاریوں کو بہتر بنایا جائے جس کا حتمی اثر قومی سطح پر بھی بہتری کی صورت میں سامنے آئے گا۔

ii. بلوچستان کا انسانی ترقی انڈکس (ایچ ڈی آئی)

حال ہی میں شائع ہونے والی ''پاکستان نیشنل ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرق کے پہلو پورے ملک میں پائے جاتے ہیں۔ 2005 کے بعد قومی ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس یا ایچ ڈی آئی میں مسلسل بہتری آئی ہے اور پاکستان ترقی کی پست درمیانی سطح سے درمیانی سطح پر آ گیا ہے۔ اس میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ پنجاب جہاں ترقی کی پست درمیانی سے بلند درمیانی سطح پر آ گیا ہے وہیں تبدیلی کے اس سفر میں بلوچستان آگے نہیں بڑھ پایا اور یہ ترقی کے عمل سے باہر ہی رہا ہے۔

1. حکومت بلوچستان، About Balochistan۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.balochistan.gov.pk/index.php?option=com_content&view=article&id=37&Itemid=783
2. یو این ڈی پی پاکستان (2016)، ''پاکستان میں کثیر جہتی غربت''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/pakistan/en/home/presscenter/pressreleases/2016/06/20/pakistan-s-new-poverty-index-reveals-that-4-out-of-10-pakistanis-live-in-multidimensional-poverty/
3. پلاننگ کمیشن و یو این ڈی پی (2016)، Multidimensional Poverty in Pakistan۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/pakistan/en/home/library/development_policy/Multidimensional-Poverty-in-Pakistan.html
4. ایضاً
5. ایضاً
6. ایضاً

جدول 2: کثیر جہتی غربت انڈکس (ایم پی آئی): اضلاع کا موازنہ[7]

بلوچستان	ایم پی آئی	شرح (فرد شماری)	شدت (A)
		2014/15	
اواران	0.415	77.2%	53.8%
برکھان	0.627	93.6%	67.0%
بولان/کچی	0.414	73.1%	56.7%
چاغی	0.546	89.2%	61.2%
ڈیرہ بگٹی	0.499	88.4%	56.4%
گوادر	0.293	60.8%	48.2%
ہرنائی	0.633	94.2%	67.2%
جعفرآباد	0.404	75.0%	53.8%
جھل مگسی	0.528	89.7%	58.9%
قلات	0.275	57.1%	48.1%
کیچ/تربت	N/A	N/A	N/A
خاران	0.454	78.4%	57.9%
خضدار	0.285	57.5%	49.6%
قلعہ عبداللہ	0.641	96.9%	66.2%
قلعہ سیف اللہ	0.386	79.3%	48.7%
کوہلو	0.503	86.8%	58.0%
لسبیلہ	0.395	68.1%	58.0%
لورالائی	0.320	68.5%	46.7%
مستونگ	0.302	62.0%	48.7%
موسیٰ خیل	0.351	66.9%	52.4%
نصیرآباد	0.413	77.0%	53.6%
نوشکی	0.316	64.0%	49.4%
پنجگور	N/A	N/A	N/A
پشین	0.453	82.2%	55.1%
کوئٹہ	0.213	46.3%	46.0%
شیرانی	0.526	90.6%	58.1%
سبی	0.324	57.5%	56.3%
واشوک	0.466	81.9%	56.9%
ژوب	0.514	82.8%	62.1%
زیارت	0.575	90.3%	63.7%

خیبر پختونخواہ اور سندھ نے بھی بہتری دکھائی ہے اور وہاں بھی گزشتہ دہائی کے دوران ترقی کی سطح بلند ہوئی ہے جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ یہ ترقی کی درمیانی سطح پر آ گئے ہیں۔ شہری اضلاع مثلاً لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، کراچی، سیالکوٹ، جہلم اور حیدرآباد ایچ ڈی آئی کی بلند ترین کیٹیگری میں شمار ہوتے ہیں۔ کوئٹہ، پشاور، ملتان اور فیصل آباد درمیانی کیٹیگری میں آتے ہیں۔

بلوچستان کے ایک ضلع (قلعہ سیف اللہ) میں جہاں ایچ ڈی آئی کی بلند ترین شرح افزائش ریکارڈ کی گئی ہے وہیں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ بلوچستان کے اس ضلع میں ابتدائی ایچ ڈی آئی کی سطح انتہائی پست تھی۔ قطعی طور پر قلعہ سیف اللہ آج بھی ایچ ڈی آئی کی پست کیٹیگری میں ہی شمار ہوتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بلوچستان میں بہترین کارکردگی دکھانے والے اضلاع کی ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس پر کارکردگی ناقص ہے (جدول 3)۔

علاقوں اور صوبوں میں سابقہ فاٹا کے ساتھ بلوچستان کا ایچ ڈی آئی انڈکس بھی پاکستان میں سب سے بدتر ہے۔ آزاد جموں وکشمیر میں ایچ ڈی آئی کی سطح سب سے بلند یعنی 0.734 ہے جس نے 0.732 کے ایچ ڈی آئی کے حامل پنجاب کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد سندھ کا ایچ ڈی آئی 0.640، خیبر پختونخواہ کا 0.628 اور گلگت بلتستان کا 0.523 ہے۔ یہ تغیرات علاقوں اور صوبوں کے درمیان نمایاں فرق ظاہر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں انسانی ترقی عدم مساوات کا شکار ہے۔

تعلیم کے اعتبار سے بھی بلوچستان کا موازنہ ملک کے باقی علاقوں کے ساتھ کریں تو اس کی کارکردگی کچھ اتنی اچھی نہیں ہے۔ سکول تعلیم کے سالوں کی متوقع تعداد 7.4 ہے جبکہ مجموعی قومی شرح 9.4 سال ہے۔ سابقہ فاٹا سے قطع نظر، بلوچستان میں سکول تعلیم کے سالوں کی متوقع تعداد ملک کے دیگر صوبوں اور علاقوں کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ یہی معاملہ سکول تعلیم کے اوسط سالوں کا ہے جو بلوچستان میں 2.6 سال ہے جبکہ مجموعی ملکی تعداد 4.5 سال ہے۔[8] غربت اور امن وامان کی غیر مستحکم صورتحال بعض ایسے عوامل ہیں جو صوبے میں شعبہ تعلیم کی ناقص صورتحال میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ فیسوں کی سطح میں گراوٹ کے ہاتھوں کئی خاندان اپنے بچوں کو سکول سے نکال کر کام پر لگا دیتے ہیں۔ اساتذہ کی نامناسب استعداد اس کا ایک اور سبب ہے۔

صنفی برابری کے اعتبار سے بھی بلوچستان میں نمایاں فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ مردوں اور خواتین کی خواندگی کی سطح پنجاب میں بالترتیب 72 اور 54 فیصد ہے، سندھ میں 67 فیصد اور 44 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 72 فیصد اور 36 فیصد جبکہ بلوچستان میں 56 فیصد اور 24 فیصد ہے۔[9] دوسری جانب مجموعی قومی شرح خواندگی مردوں میں 70 فیصد اور خواتین میں 48 فیصد ہے جس سے انہی رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے کہ خواتین ابھی بھی شعبہ تعلیم میں مرکزی دھارے کا حصہ نہیں بن پائیں لیکن باقی صوبوں میں صورتحال اتنی خراب نہیں ہے جتنی بلوچستان میں ہے۔ معاشرتی رجحانات اور ثقافتی رکاوٹیں، جو سکیورٹی کی دگرگوں صورتحال کے ہاتھوں مزید بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہیں، سب اس رجحان میں اپنا کردار ادا کرنے والے عوامل ہیں۔ مزید برآں، روزگار کے مواقع کی کمی بھی متعدد خواتین کو سکول چھوڑ دینے یا سرے سے تعلیم ہی حاصل نہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ نوجوان خواتین کی شرح خواندگی، جو 29.9 فیصد ہے، سے بھی اسی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔

شعبہ تعلیم میں عدم مساوات کے ان پہلوؤں کو دیکھ کر بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تعلیم کے لئے مختص کی جانے والی رقوم کم ہیں۔ تعلیم پر کل اخراجات 2016-17 میں 699,22 ارب روپے تھے۔ ان میں بلوچستان کے اخراجات 47,698 ملین روپے، پنجاب کے 260,642 ملین روپے، سندھ کے 146,732 ملین روپے اور خیبر پختونخواہ کے 136,121 ملین روپے تھے۔[10] اس میدان میں دیگر صوبوں کی کارکردگی جہاں معقول نظر آتی ہے وہیں بلوچستان کی صورتحال عین اس کے برعکس ہے۔ یہ امر حوصلہ افزاء ہے کہ تکنیکی تعلیم کے لئے 0.121 روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ مہارتوں کی تربیت اور تکنیکی تعلیم ایک اور شعبہ ہے جس پر سرمایہ کاری صوبے کی معیشت کو ترقی دینے کے لئے

7 ایضاً
8 اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (2017)، "پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس رپورٹ"، جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/HDR/HDI%20Report_2017.pdf
9 شماریات بیورو، پاکستان، اکنامک سروے 2017-18، تعلیم کا باب۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_18/10-Education.pdf
10 ایضاً

جدول 3: انسانی ترقی انڈکس (ایچ ڈی آئی) کا موازنہ[11]

بہترین کارکردگی والے اضلاع

پنجاب			سندھ			خیبر پختونخواہ			بلوچستان		
لاہور	0.877	بلند	کراچی	0.854	بلند	ایبٹ آباد	0.761	بلند درمیانی	کوئٹہ	0.664	درمیانی
راولپنڈی	0.871	بلند	حیدرآباد	0.716	بلند درمیانی	پشاور	0.756	بلند درمیانی	مستونگ	0.459	پست
سیالکوٹ	0.834	بلند	نوشہرو فیروز	0.665	درمیانی	ہری پور	0.732	بلند درمیانی	گوادر	0.443	پست
جہلم	0.829	بلند	سکھر	0.659	درمیانی	مردان	0.703	بلند درمیانی	نوشکی	0.441	پست
گجرات	0.795	بلند درمیانی	لاڑکانہ	0.618	درمیانی	نوشہرہ	0.697	درمیانی	سبی	0.441	پست

پست ترین کارکردگی والے اضلاع

پنجاب			سندھ			خیبر پختونخواہ			بلوچستان		
بہاولپور	0.645	درمیانی	ٹھٹھہ	0.377	پست	ٹانک	0.459	پست	چاغی	0.210	بہت پست
بھکر	0.628	درمیانی	ٹنڈو محمد	0.377	پست	شانگلہ	0.438	پست	واشوک	0.188	بہت پست
مظفر گڑھ	0.584	پست درمیانی	سجاول	0.326	پست	دیر بالا	0.375	پست	ہرنائی	0.184	بہت پست
ڈیرہ غازی خان	0.535	پست درمیانی	عمرکوٹ	0.322	پست	طورغر	0.240	بہت پست	جھل مگسی	0.183	بہت پست
راجن پور	0.506	پست درمیانی	تھرپارکر	0.227	بہت پست	کوہستان	0.229	بہت پست	اواران	0.173	بہت پست

ضروری ہے۔

بہرحال، حکومت کے امید افزاء اقدامات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ صوبے میں ''تعلیمی ایمرجنسی'' والی صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے پرعزم ہے۔ بلوچستان حکومت نے مالی سال 2018 کے لئے 9.16 ارب روپے مختص کئے ہیں جبکہ گزشتہ سال یہ رقم 6.65 ارب روپے تھی جس سے تعلیم کے 190 جاری اور 141 نئے ترقیاتی منصوبوں کے لئے 37.7 فیصد اضافہ ظاہر ہوتا ہے۔[11] یہ امر حوصلہ افزاء ہے کہ اس میں سے 0.121 ارب روپے تکنیکی تعلیم کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ مہارتوں کی تربیت اور تکنیکی تعلیم ایک اور شعبہ ہے جو صوبے کی معیشت کو پھلنے پھولنے میں مدد دینے کے لئے ضروری ہے۔

2015 میں پاکستان 0.79 کے صحت انڈکس کے ساتھ درمیانی کیٹیگری میں رہا۔ تاہم صوبائی، علاقائی اور ضلعی صحت انڈکس ملک بھر میں عدم مساوات کو ظاہر کرتے ہیں۔ فاٹا میں صحت کے نتائج انتہائی ناقص ہیں اور بہت پست کیٹیگری میں آتے ہیں جبکہ بلوچستان نچلی طرف سے دوسرے نمبر پر اور پست کیٹیگری میں آتا ہے۔ بلوچستان کے 28 میں سے 16 اضلاع صحت کی بہت پست یا پست کیٹیگری میں آتے ہیں جبکہ صرف ایک ضلع، قلات، صحت انڈکس کی بلند کیٹیگری میں آتا ہے۔ پنجاب کارکردگی کے اعتبار سے بہترین رہا جو بلند درمیانی کیٹیگری میں آتا ہے جبکہ آزاد جموں وکشمیر، سندھ، اور خیبر پختونخواہ ترقی کی درمیانی سطح پر رہے۔

گزشتہ دس سال کے عرصے کے دوران صحت انڈکس کے جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان بھر کے اضلاع کی ایک خاطر خواہ تعداد میں صحت کے نتائج زوال پذیر رہے ہیں۔ بلوچستان میں خاص طور پر 50 فیصد سے زائد اضلاع یعنی 22 میں سے 12، جن کے لئے ایک دہائی پرانا ڈیٹا دستیاب ہے اور جن میں کوئٹہ بھی شامل ہے، کا صحت انڈکس زوال پذیر رہا ہے۔[12] خیبر پختونخواہ کی صورتحال بھی ایسی حوصلہ افزاء نہیں ہے جہاں 24 میں سے 10 اضلاع کا صحت انڈکس اس عرصے کے دوران زوال پذیر رہا ہے۔ یہی حال پنجاب کے 34 میں سے 11 اضلاع کا ہے۔ سندھ کے 16 میں سے صرف 6 اضلاع کے صحت انڈکس میں بہتری دیکھنے میں آئی۔ وسیع معنوں میں صوبائی سطح پر بلوچستان، سندھ اور خیبر پختونخواہ کے ہر پانچ میں سے دو اضلاع میں گزشتہ دہائی کے دوران صحت کے نتائج میں زوال پذیر رجحان ریکارڈ کیا گیا۔ ژوب، خاران اور جھل مگسی (بلوچستان)، بہاولنگر اور ساہیوال (پنجاب)، میرپور خاص اور تھرپارکر (سندھ) اور بٹاگرام اور ڈیرہ اسماعیل خان (خیبر پختونخواہ) بعض ایسے اضلاع ہیں جن کی صحت انڈکس پر کارکردگی خاص طور پر گزشتہ ایک دہائی کے دوران ناقص رہی ہے۔

سرکاری ہسپتالوں میں تربیت یافتہ ڈاکٹروں اور پیرامیڈیکل عملہ کی کمی، نجی ہسپتالوں کی زیادہ فیسیں، ٹرانسپورٹ سہولیات کی کمی اور صحت پر سرکاری شعبے کے کم اخراجات تمام ایسی وجوہات ہیں جو صوبے میں صحت کی بگڑتی صورتحال میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ جولائی تا فروری 2017-18 کے دوران صحت پر کل سرکاری اخراجات میں وفاق اور صوبوں کے حصے کے مطابق صحت پر اخراجات کا بڑا حصہ پنجاب میں دیکھنے میں آیا (84.8 فیصد) جس کے بعد سندھ میں یہ 41.4 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 17.6 فیصد اور بلوچستان میں 11.3 فیصد رہا۔[13]

انسانی ترقی انڈکس کا آخری اشاریہ یعنی رہن سہن کے معیارات کا انڈکس (ایل ایس آئی) بھی صوبے کے لئے ایسی امید افزاء تصویر پیش نہیں کرتا۔ رہن سہن کے معیارات کے انڈکس پر بلوچستان کا سکور 33.9 فیصد ہے اور یہ بھی دوسرے صوبوں کے مقابلے میں پورے ملک میں پست ترین سطح ہے۔ پنجاب کا سکور 83 فیصد، سندھ کا 67.6 فیصد اور خیبر پختونخواہ کا 67.1 فیصد ہے۔

ضلعی سطح پر بلوچستان رہن سہن کے معیارات کے انڈکس کے اعتبار سے شدید ترین محرومی کا شکار نظر آتا ہے۔ 28 میں سے 17 اضلاع بہت پست کیٹیگری میں، 10 پست کیٹیگری میں اور صرف ایک ضلع یعنی کوئٹہ، جو بلوچستان کے دیگر علاقوں سے کہیں آگے ہے، بلند درمیانی کیٹیگری میں آتا ہے۔ پشین، سبی، نوشکی اور لسبیلہ ان اضلاع میں شمار ہوتے ہیں جن کی کارکردگی صوبے میں نسبتاً بہتر ہے۔ اس کا سبب بلاشبہ بنیادی ڈھانچے کی سہولیات کی کمی (پائپ کے ذریعے پانی، صفائی ستھرائی اور بجلی)، نیم مستقل گھر، مویشیوں کی کم تعداد، اور گھرانے کے اثاثوں کی کمی اور بعض دیگر عوامل ہیں۔

Figure 1: Unemployment & Labour Force Participation in Balochistan[14]

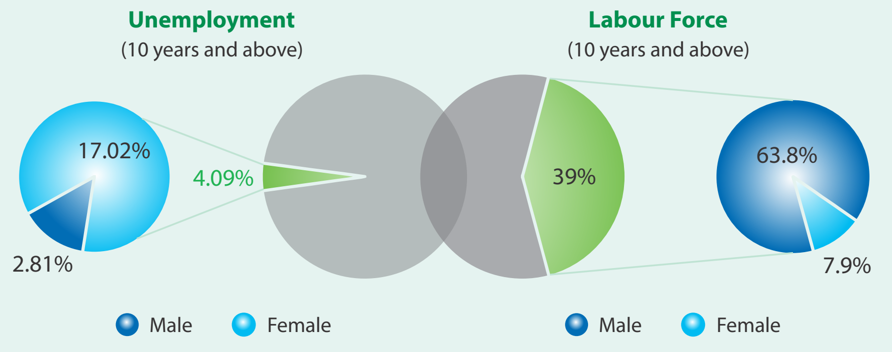

11 سُپرا 8
12 ایضاً
13 شماریات بیورو، پاکستان، اکنامک سروے 2017-18 صحت کا باب۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_18/11-Health.pdf

جدول 4: دیگر اشاریے (فیصد)

(فیصد)	قومی	بلوچستان
پیدائش کا اندراج	34 [1]	7.7 [1]
کم عمری کی شادی (18 سال عمر سے پہلے شادی)	21 [1]	35 [5]
حفاظتی ٹیکوں کی مکمل کوریج	54 [1]	16 [1]
سکول سے باہر بچے (5 سے 16 سال)	47 [2]	70 [2]
این ای آر سیکنڈری (ثانوی سطح پر داخلہ)	11 [2]	13 [2]
این اے آر پرائمری	59.9 [2]	41.6 [2]
این اے آر سیکنڈری	37 [2]	19.5 [2]
سانس کی بیماریوں کا علاج کرایا	64.4 [1]	53.5 [1]
اسہال کا علاج کرایا	61 [1]	43.4 [1]
چھوٹا قد	44 [3]	52 [3]
جسمانی کمزوری	15 [3]	16 [3]
کم وزن	31.5 [3]	40 [3]
پینے کے پانی کے بہتر ذرائع کا استعمال	93 [1]	67.2 [1]
صفائی ستھرائی کی بہتر سہولیات کا استعمال	59.5 [1]	46.2 [1]
بچوں سے مشقت (5 سے 14 سال عمر)	17 [5]	کوئی نہیں
بچوں سے مشقت (10 سے 14 سال)	9.66 [7]	9.58 [7]
زچہ کی شرح اموات - ایم ایم آر (اوسطاً 100,000 زندہ بچوں کی پیدائش پر)	276 [5]	856 [5]
شیرخوار بچوں کی شرح اموات - آئی ایم آر (اوسطاً 1,000 زندہ بچوں کی پیدائش پر)	74 [1]	97 [1]
نومولود کی شرح اموات - این ایم آر (اوسطاً 1,000 زندہ بچوں کی پیدائش پر)	55 [1]	63 [1]
پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات (اوسطاً 1,000 زندہ بچوں کی پیدائش پر)	89 [1]	111 [1]
خون کی کمی کا شکار بچے	56.8 [3]	62 [3]
خون کی کمی کا شکار بچے پیدا کرنے کی عمر کی خواتین	49.7 [1]	51 [1]
آئرن کی کمی کا شکار بچے	32.5 [3]	44 [3]
وٹامن اے کی کمی کا شکار بچے	54 [3]	73.5 [3]
زنک کی کمی کا شکار بچے	39.5 [3]	39 [3]
خوراکی عدم سلامتی کا شکار آبادی	58 [1]	63.4 [1]
سکولوں میں پینے کا پانی (پرائمری)	50 [6]	52 [6]
سکولوں (پرائمری) میں صفائی ستھرائی (بیت الخلاء) کی سہولیات	56 [6]	16 [6]
آبادی جسے کوئی بیت الخلاء میسر نہیں / کھلی جگہ پیشاب کرتے ہیں	21 [1]	30 [1]

ذرائع:
1 پاکستان آبادی وصحت سروے (پی ڈی ایچ ایس 13-2012)
2 پاکستان تعلیمی اعداد و شمار 15-2014
3 قومی غذائیت سروے (این این ایس) 2011
4 پی ایس ایل ایم 15-2014
5 بلوچستان ایم آئی سی ایس 2010
6 واش سہولیات سے محرومی کا تجزیہ - یونیسیف
7 پاکستان لیبر فورس سروے 2015

اس کے برعکس بلوچستان میں بیروزگاری کی شرح پاکستان میں سب سے پست ہے۔ پنجاب میں بیروزگاری 5.2 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 7.9 فیصد، سندھ میں 4.8 فیصد اور بلوچستان میں 3.9 فیصد ہے۔ چند باہم مربوط پالیسیوں اور حکمت عملیوں کی مدد سے صوبائی حکومت صوبے میں نوجوانوں کی بیروزگاری کو مثبت انداز میں دور کرسکتی ہے۔ نجی اور سرکاری شعبے کا اشتراک عمل بھی اس ضمن میں ایک وعدہ ہے اور نجی شعبہ صوبے میں روزگار کی شرح میں بے پناہ اضافہ کرسکتا ہے۔ مزید برآں، پیشہ ورانہ تربیت پر توجہ دینے سے بھی روزگار میں بہتری آسکتی ہے اور ہنرمند کارکنوں کو صنعت کے مختلف شعبوں میں کھپایا جاسکتا ہے۔

iii. ترقی کے دیگر اشاریے

قومی سطح سے موازنہ کریں تو بلوچستان ترقی کے کئی اشاریوں پر کہیں پیچھے نظر آتا ہے (جدول 4)۔ زچہ کی انتہائی بلند شرح اموات سے لے کر بچوں میں غذائیت کے کمزور اشاریوں تک، صوبے کے سماجی اشاریے تفصیلی تجزیئے اور ایک تجدید یافتہ عملی منصوبے کا تقاضا کرتے ہیں۔ حفاظتی ٹیکوں کی کوریج کے اعتبار سے قومی اوسط سے موازنہ کریں تو یہ بھی صوبے میں بہت کم ہے۔ آگاہی کی کمی مثلاً پولیو کے حفاظتی ٹیکوں یا حمل کے دوران باقاعدگی سے معائنے کرانے یا عمدہ حفظانِ صحت کی اہمیت کے بارے میں آگاہی کی کمی بھی صوبے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ مزید برآں، قوانین پر کمزور عملدرآمد بھی خاص طور پر بچوں سے مشقت یا کم عمری کی شادی کے معاملے میں چیلنج بن کر سامنے آتا ہے۔ بہرحال، غربت کے اثرات ہر طرف دکھائی دیتے ہیں۔ گھرانوں میں مالی وسائل کے ہاتھوں لوگ اتنے مجبور ہیں کہ انہیں تمام دیگر ضرورتوں کے مقابلے میں اگلے وقت کی روٹی کی فکر سب سے زیادہ رہتی ہے۔ (شکل 4)۔

ایک دلچسپ بات ان اشاریوں کا باہمی تعلق ہے۔ یہ باتیں اپنی جگہ، آگاہی کی کمی صوبے کے لئے ایک اہم خسارے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر پولیو کے حفاظتی ٹیکوں یا حمل کے دوران باقاعدگی سے معائنے کرانے یا عمدہ حفظانِ صحت کی اہمیت کے بارے میں آگاہی کی کمی اس بڑھتی تعداد میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔ مزید برآں، قوانین پر کمزور عملدرآمد بھی خاص طور پر بچوں سے مشقت یا کم عمری کی شادی کے معاملے میں چیلنج بن کر سامنے آتا ہے۔ بہرحال، تمام عوامل میں ایک بات مستقل دکھائی دیتی ہے۔ گھرانوں میں مالی وسائل کے ہاتھوں لوگ اتنے مجبور ہیں کہ انہیں تمام دیگر ضرورتوں کے مقابلے میں اگلے وقت کی روٹی کی فکر سب سے زیادہ رہتی ہے۔

iv. ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) پر بلوچستان کی کارکردگی

ہزاریہ ترقیاتی مقاصد کے معاملے میں بلوچستان اور خیبر پختونخواہ بدترین کارکردگی والے صوبے رہے۔ قومی سطح پر کل 21 میں سے صرف 3 اہداف حاصل کئے گئے۔ پنجاب اور سندھ نے صرف ایک ایک ہدف حاصل کیا جبکہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کوئی ایک بھی ہدف حاصل نہ کر پائے۔ بلوچستان کی کارکردگی ملک میں سب سے بدتر رہی کیونکہ 21 میں سے 18 اہداف پر یہ صحیح راہ پر نہیں تھا۔ اس کے بعد خیبر پختونخواہ 21 میں سے 15 اہداف پر صحیح راہ پر نہیں تھا جبکہ سندھ 21 میں سے 14 اور پنجاب 21 میں سے 12 اہداف پر صحیح راہ پر نہیں تھا۔[14] سیاسی نگرانی اور شہریوں میں شعور و آگاہی کے فقدان، ملکی سطح پر کوئی تحقیقی سرگرمی نہ ہونے اور ترقیاتی پروگراموں کے بارے میں مقامی سطح پر احساس ملکیت کا فقدان ان بڑی وجوہات میں سے کچھ ہیں جن کی وجہ سے صوبہ ہزاریہ ترقیاتی مقاصد کو پورا نہیں کر پایا۔

بلوچستان میں پائیدار ترقی کے مواقع، مشکلات اور آئندہ لائحہ عمل

جیسا کہ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی ہے، سماجی، اقتصادی اور دیگر ترقیاتی اشاریے بلوچستان کی افسوسناک تصویر کشی کرتے ہیں۔ صوبہ نہ صرف بہت پیچھے ہے بلکہ اس کی کارکردگی پاکستان کے دیگر علاقوں اور صوبوں کے مقابلے میں بدترین ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بلوچستان بے پناہ مشکلات کا شکار ہے جس کے سنگین اثرات اس کے شہری بھگت رہے ہیں۔

آبادی کے محرکین اور ارضی خصوصیات بھی کسی حد تک اپنا کردار ادا کرتے

14 پلاننگ کمیشن و یو این ڈی پی پاکستان: ''Pakistan Millennium Development Goals, Report 2013''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/MDGs/MDG2013Report/final%20report.pdf

ہیں کیونکہ کم گنجان آبادی کی وجہ سے صوبے بھر میں خدمات کی فراہمی مشکل ہو جاتی ہے۔لیکن بڑی حد تک ترقی کے ناقص نظم ونسق اور بھرپور کوششوں کے فقدان نے بلوچستان کے موجودہ ترقیاتی بحران میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ناقص منصوبہ بندی اور نظم ونسق کئی صورتوں میں اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔اول، بلوچستان اپنی ترقیاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وسائل کی کمی کا شکار رہا ہے۔ڈاکٹر قیصر بنگالی ''A Cry for Justice: Empirical Insights from Balochistan'' کے عنوان سے اپنے ایک حالیہ تجزیئے میں اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بلوچستان کو کل ترقیاتی اخراجات کا محض 3.9 فیصد مل رہا ہے جو جی ڈی پی کا صرف 0.18 فیصد بنتا ہے۔اسی طرح غریب ترین صوبہ ہونے کے باوجود بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام سے مستفید ہونے والوں کا صرف 3.7 فیصد بلوچستان سے ہیں۔وفاق کی طرف سے رقوم کی کم فراہمی کے ساتھ ساتھ صوبہ اپنے وسائل پیدا کرنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہے۔اس کا جزوی سبب یہ ہے کہ بلوچستان میں ایسی کوئی بڑی معاشی سرگرمی نہیں ہوئی جس سے صوبے کے داخلی وسائل کو بروئے کار لانے میں مدد ملتی۔ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد وفاق کے قابل تقسیم وسائل میں بلوچستان کا حصہ، جو چھٹے این ایف سی ایوارڈ میں 7 فیصد تھا، ساتویں این ایف سی ایوارڈ میں بڑھ کر 9 فیصد تک پہنچ گیا لیکن بہتر وسائل کا ثمر ترقی کے بہتر نتائج کی صورت میں برآمد نہیں ہوا۔

دوم، سرکاری ادارے دستیاب وسائل کو مناسب طریقے سے مختص کرنے اور استعمال میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔مثال کے طور پر، بلوچستان کے لئے پی ایس ڈی پی میں مختص کی جانے والی رقوم میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے لیکن ترقی کے نتائج میں بہتری نہیں آئی جس سے ناقص کارکردگی کی عکاسی ہوتی ہے۔معیشت کے پیداواری شعبوں مثلاً کان کنی اور معدنیات، جن کے لئے صوبے میں بے پناہ استعداد موجود ہے، کو پی ایس ڈی پی کے تحت مختص کی جانے والی رقوم میں سب سے کم ترجیح (0.06 فیصد) ملی ہے۔یہی معاملہ مویشی بانی اور ماہی گیری کے شعبے کا ہے جو معاشی افزائش کا عمل تیز کرنے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی شاندار استعداد کے باوجود ترجیحات میں ہمیشہ نیچے رہے ہیں۔تعلیم، صحت اور سماجی ترقی سے متعلق دیگر شعبوں کے لئے ماضی میں زیادہ تناسب سے وسائل مختص کئے جاتے رہے ہیں لیکن ان کے بھی کوئی بامعنی اثرات سامنے نہیں آئے۔یہ امر ناگزیر ہے کہ پی ایس ڈی پی کے تحت رقوم صوبے کی ترقی میں درپیش مشکلات اور معاشی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے مختص کی جائیں۔وسائل کو صحیح معنوں میں کارآمد اور موثر بنانے کے لئے کڑی نگرانی اور کنٹرول بھی ایک ضرورت ہے۔کارکردگی کی جانچ پرکھ اور سابقہ وسائل کے استعمال کی جانچ پرکھ اور اثرات کے تجزیہ کا موزوں نظام انتہائی اہمیت کا حامل ہے تاکہ ماضی کی غلطیاں دہرائی نہ جائیں۔صوبائی محکمہ منصوبہ بندی و ترقی ''بلوچستان ایس ڈی جی فریم ورک'' اور ''بلوچستان کی جامع ترقی وافزائش کی حکمت عملی'' پر کام کر رہا ہے۔ان دستاویزات کی بدولت بلوچستان کو درپیش مشکلات اور مواقع کی نشاندہی میں مدد ملے گی جو باقاعدہ ہدف کے تحت اقدامات کے لئے معلومات کا کام دیں گے۔

بلوچستان کی اقتصادی ترقی میں نجی شعبے کا کردار محدود ہے۔اس کا بڑا سبب نجی شعبے کے کام کرنے کے لئے سازگار ماحول کا فقدان ہے۔نجی کاروبار تبھی پھلتے پھولتے ہیں جب پیداواری لاگت کم ہو، مالی خدمات دستیاب ہوں، بنیادی ڈھانچہ مستحکم ہو، وغیرہ۔بدقسمتی سے بلوچستان میں یہ مراعات میسر نہیں۔چند شعبے جن میں نجی شعبہ اپنا کردار ادا کرسکتا ہے، ان میں مویشی بانی، ماہی گیری، معدنیات اور قابل تجدید توانائی قابل ذکر ہیں۔پاکستان کی مویشی آبادی بالخصوص بھیڑوں اور بکریوں میں بلوچستان کا ایک بڑا حصہ ہے۔چارہ خور چھوٹے جانوروں کی کل آبادی میں اس کا حصہ 40 فیصد کے لگ بھگ ہے۔اسی طرح 770 کلومیٹر طویل ساحلی پٹی ماہی گیری کی صنعت قائم کرنے کا شاندار موقع فراہم کرتی ہے۔مویشی بانی اور ماہی گیری، دونوں کام بلوچستان میں ہو رہے ہیں لیکن یہ بڑی حد تک روایتی خطوط پر ہو رہے ہیں جن میں جدید رجحان کچھ زیادہ نہیں ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ قابل ذکر معاشی ثمرات حاصل کرنے اور بڑے پیمانے پر روزگار پیدا کرنے کے لئے انہیں جدید بنایا جائے۔مختلف اقدامات مثلاً چھوٹے قرضوں تک رسائی، مویشی بانی اور ماہی گیری کی 'ویلیو چین' کو مستحکم بنانے کے لئے پراسیسنگ یونٹس وغیرہ کی تعمیر سے نجی شعبے کی حوصلہ افزائی میں مدد مل سکتی ہے کہ وہ ان شعبوں میں بڑے پیمانے کے کاروباری مواقع کو آزمائے۔

صوبے میں تانبے، سونے، لوہے، کوئلے، سنگ مرمر، سلفر وغیرہ کے ذخائر بھی موجود ہیں۔سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کے پاس شاید اپنے طور پر ان وسائل کو آزمانے کے لئے خاطر خواہ وسائل موجود نہ ہوں، اس لئے نجی شعبے کی شمولیت کی راہ ہموار کرنے کا ایک طریقہ سرکاری اور نجی شعبے کا اشتراک عمل ہوسکتا ہے۔یہ اشتراک عمل معیشت کی حالت بدلنے اور صوبے کی سماجی فلاح و بہتری کے بے پناہ مواقع پیدا کرسکتا ہے کیونکہ صوبے کا بنیادی ڈھانچہ نازک اور پسماندہ ہے جبکہ یہاں قدرتی وسائل کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔اس اشتراک عمل کی ایک آزمودہ اور جانی مانی مثال لاہور اسلام آباد موٹر وے (ایم ٹو موٹر وے) ہے جو ''بلڈ، آپریٹ، ٹرانسفر'' (بی او ٹی) کے طریقہ کار کے تحت بنائی گئی۔نجی شعبے کو ساتھ ملانے سے نہ صرف اہم شعبوں مثلاً بنیادی ڈھانچے، خدمات وغیرہ کی ترقی کی ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے گی بلکہ یہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور سماجی اشاریئے بہتر بنانے میں بھی معاون ثابت ہوگا۔

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے بارے میں اندازہ ہے کہ اس سے پاکستان کے لئے بالعموم اور بلوچستان کے لئے بالخصوص اقتصادی وسماجی ترقی کے بے پناہ مواقع پیدا ہوں گے۔سی پیک کے تین بڑے روٹس میں سے گوادر، پنجگور اور کوئٹہ کو ملانے والا مغربی روٹ سماجی و اقتصادی ترقی کی بے پناہ استعداد کا حامل ہے کیونکہ یہ متعدد انتہائی غربت زدہ علاقوں سے گزرتا ہے۔مغربی روٹ کا دیگر روٹس کے ساتھ موازنہ کریں تو یہ 14 ایسے اضلاع، بلوچستان کے 8 اور خیبر پختونخواہ کے 6 اضلاع، سے گزرتا ہے جہاں غربت کی شرح 70 فیصد سے زائد ہے۔اس کے برعکس سی پیک کے مرکزی اور مشرقی روٹ بالترتیب 3 اور 2 ایسے اضلاع سے گزرتے ہیں جہاں غربت کی شرح 70 فیصد سے زائد ہے۔

بلوچستان میں تجارت کے متعدد مواقع، بے پناہ قدرتی وسائل اور گوادر کی بندرگاہ میں اس قدر استعداد ہے کہ سی پیک کے دائرے میں رہتے ہوئے سرکاری اور نجی شعبے کی سرمایہ کاری یہاں لائی جاسکتی ہے۔سی پیک بالعموم سماجی ومعاشی فلاح اور بہتری کا عمدہ موقع فراہم کرتا ہے۔تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ باقاعدہ حکمت عملی کے تحت کام کیا جائے اور چند شعبوں میں ہدف پر مبنی اقدامات کئے جائیں۔گوادر کی ایک جدید بندرگاہی شہر کے طور پر ترقی ایسا ہی ایک موقع ہے جس سے صوبے کے حالات میں انقلابی تبدیلی آسکتی ہے۔اگرچہ سرمایہ کاری میں معاونت، بنیادی ڈھانچے کی تعمیر اور عوامی خدمات کی فراہمی کے حوالے سے بہت کچھ کہا جا رہا ہے لیکن ان کی کوآرڈینیشن، مینجمنٹ اور عملدرآمد کے حوالے سے الجھاؤ بھی پایا جاتا ہے۔اس وقت شہر میں سرمایہ کاری کے کئی نظام کام کر رہے ہیں مثلاً سپیشل اکنامک زونز، ایکسپورٹ پراسیسنگ زونز، انڈسٹریل اسٹیٹ، وغیرہ۔اسی طرح متعلقہ فریق بھی کئی ہیں جن میں گوادر ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور شہری ترقی کی ذمہ دار مقامی انتظامیہ بھی شامل ہیں۔ہمیں دنیا کے دیگر شہروں مثلاً چین کے شہر شینزین کے تجربات سے سیکھنا ہوگا جو وقت کے ساتھ جدت اور کارخانہ سازی کے گڑھ بن چکے ہیں۔

بلوچستان میں سیاحت کے ذریعے بھی اچھا خاصا ریونیو حاصل کیا جاتا ہے۔وادی زیارت، جو کوئٹہ کے شمال میں 130 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹا سا لیکن دلفریب نظاروں سے بھرپور، پہاڑوں اور گھنے جنگلات میں گھرا قصبہ ہے، صوبے میں سیاحت کی شاندار استعداد کی ایک مثال ہے۔یہی معاملہ ساحلی علاقوں کا ہے۔تاہم اس کے لئے بنیادی ڈھانچے کو ترقی دینا ہوگی تاکہ سیاحوں کو یہاں آنے پر مائل کیا جاسکے۔اسی طرح صوبے میں بے شمار گھریلو صنعتیں ہیں، جہاں بین الاقوامی معیار کی عمدہ ترین سلائی کڑاہی کا کام ہوتا ہے، یہ نہ صرف صوبے کی خواتین کو بااختیار بنانے میں مدد دے سکتی ہیں بلکہ ریونیو کا ذریعہ بھی بن سکتی ہیں۔

بلوچستان کے ان تمام تر وسائل کے پیش نظر ترقی کا سفر نمایاں حد تک تیز ہوسکتا ہے بشرطیکہ درست پالیسیاں وضع کی جائیں اور اصلاحات پر عملدرآمد کیا جائے۔اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ موافق پالیسی فریم ورک بنائے جائیں، سرکاری اداروں کی استعداد بہتر بنائی جائے، ترقی کے عمل میں نجی شعبے کو ساتھ ملایا جائے، ترقی کی منصوبہ سازی شواہد کی بنیاد پر کی جائے اور امن وامان کی صورتحال بہتر بنائی جائے تو صوبے میں پائیدار اور حقیقی ترقی ممکن ہوسکتی ہے۔

بحیثیت مجموعی، بلوچستان کی معاشی استعداد اور یہاں دستیاب وسائل کے پیش نظر سماجی ومعاشی ترقی میں تیزی لائی جاسکتی ہے بشرطیکہ تمام متعلقہ فریق اس کے لئے مل کر بھرپور کوششیں کریں۔سیاسی قیادت اور بیوروکریسی کو چاہئے کہ قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے عمدہ ترقیاتی پالیسیاں، اصلاحات اور پروگرام تشکیل دے اور ان پر عملدرآمد کرے۔اس عمل میں نجی شعبے کی مدد کی بھی ضرورت ہوگی کہ وہ معاشی افزائش، روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور سماجی ترقی کے لئے بامعنی سرمایہ کاری کرے۔

سرکاری سرمایہ کاری کا تجزیہ

سرکاری شعبے کا ترقیاتی پروگرام (پی ایس ڈی پی)

پی ایس ڈی پی صوبے میں ترقی اور افزائش کا ایک اہم ذریعہ ہے، جس کے تحت مختلف شعبوں کے لئے بھاری مقدار میں ترقیاتی فنڈز مختص کئے جاتے ہیں۔ اٹھارہویں ترمیم کے بعد اختیارات صوبائی حکومتوں کو منتقل کر دیئے گئے اور پی ایس ڈی پی کی تشکیل، اس کے تحت فنڈز کی ترسیل اور ترقیاتی اقدامات کرنے کی تمامتر ذمہ داری اب صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار میں آتی ہے۔

پی ایس ڈی پی میں فنڈز کی تخصیص کے رجحانات

2013-14 سے 2018-19 کے عرصے میں مختلف منصوبوں کے لئے فنڈز کی تخصیص میں اضافے کا رجحان دیکھنے میں آتا ہے۔ پی ایس ڈی پی میں افزائش کی شرح 100 فیصد رہی ہے (شکل 1)۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس افزائش کے ساتھ سماجی اور معاشی اشاریوں میں بہتری نہیں آئی۔

شکل 1: پی ایس ڈی پی کے رجحانات

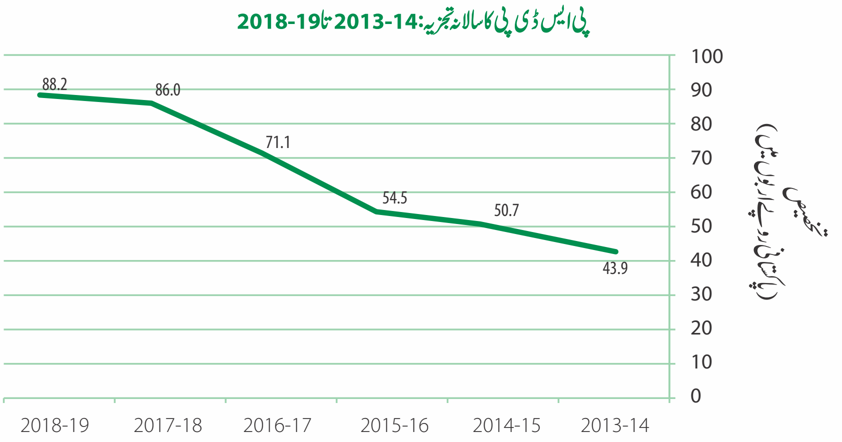

فنڈز کی تخصیص

گزشتہ دس سال کے عرصے میں مختلف شعبوں کے لئے پی ایس ڈی پی میں مختلف رقوم مختص کی گئیں (شکل 2)۔ تاہم بعض شعبوں مثلاً صحت میں فنڈز کی کمی کا رجحان دیکھنے کو ملتا ہے حالانکہ حالات وضروریات اس کے برعکس تقاضا کرتے ہیں۔ لہٰذا گزشتہ ایک دہائی کے عرصے میں ترقی کے لئے مختص کی جانے والی رقوم میں ملا جلا رجحان دیکھنے کو ملتا ہے۔

موجودہ پی ایس ڈی پی کا تجزیہ (2018-19)

2018-19 کے صوبائی بجٹ کا کل مالی تخمینہ 352.3 ارب روپے ہے جس میں سے 88.3 ارب روپے پی ایس ڈی پی کے منصوبوں کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ پی ایس ڈی پی 2018-19 میں تعلیم، پانی اور ہیں جن میں سے 1,515 جاری اور 3,213 نئی سکیمیں شامل ہیں۔

2013 سے 2019 کے درمیان پی ایس ڈی پی کے تجزیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رقوم کی تخصیص میں سماجی شعبے کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے جس میں تعلیم اور مواصلات کے شعبے مستقل ترجیح رہے ہیں (جدول 2)۔

سماجی شعبے کو چونکہ مرکزی حیثیت حاصل رہی اس لئے صوبے میں معاشی افزائش کے جمود کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سبب یہی ہے کہ معیشت کی پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے صوبے کے بعض اہم ترین محکموں کو نظرانداز کیا گیا۔ مثال کے طور پر بلوچستان معدنی وسائل سے

شکل 2: مختلف شعبوں کے لئے رقوم کی تخصیص (گزشتہ 10 سال)

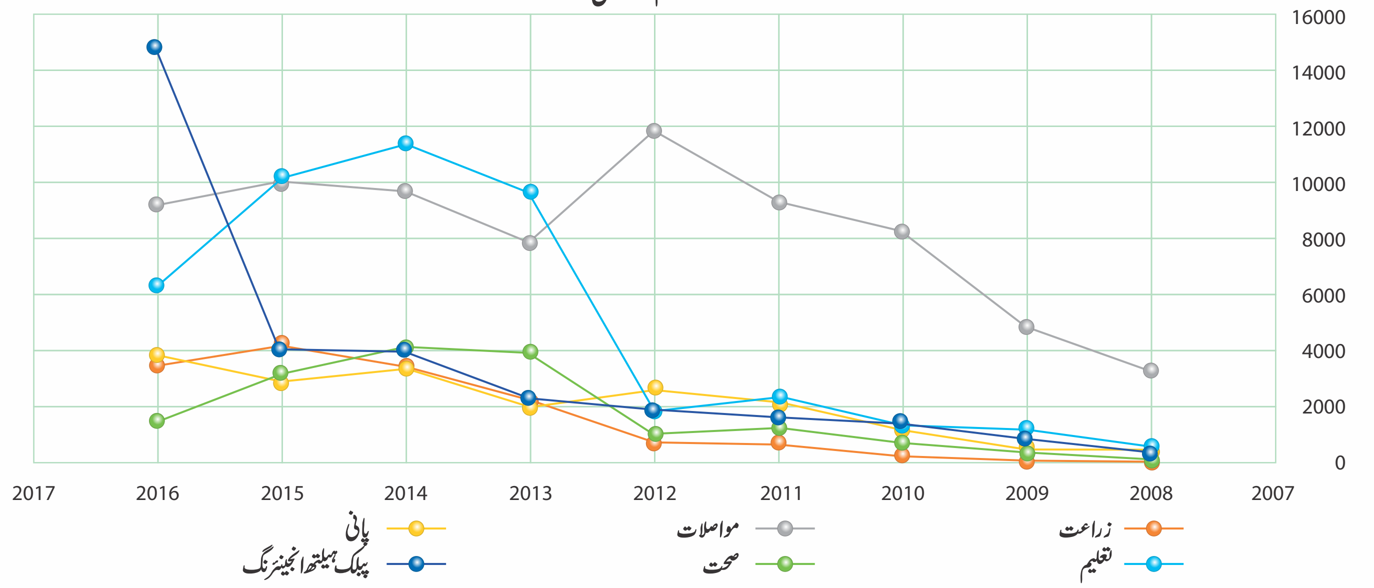

ذریعہ: محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ، حکومت بلوچستان

حکومت بلوچستان سمجھتی ہے کہ شعبہ تعلیم میں سرمایہ کاری انسانی وسائل کی ترقی کے لئے کلیدی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا 2012 کے بعد اس شعبے کے لئے فنڈز میں بے پناہ اضافہ کیا گیا۔ رابطوں اور نقل وحرکت میں بہتری کے لئے سڑکوں کی تعمیر، جو کمیونیکیشن اینڈ ورکس کے شعبے کے تحت آتی ہے، کے لئے بھی گزشتہ ایک دہائی کے دوران بھاری رقوم مختص کی گئی

پبلک ہیلتھ انجینئرنگ سمیت بعض اہم شعبوں کو ترجیح دی گئی ہے (جدول 1)۔ البتہ اس میں بعض بہترین پیداواری شعبوں کو سب سے کم اہمیت بھی دی گئی جو صوبے کی معیشت میں ایک بڑا حصہ ملاتے ہیں جن میں معدنیات، ماحولیات اور صنعت بھی شامل ہیں (جدول 2 اور 3)۔ موجودہ پی ایس ڈی پی میں کل 4728 ترقیاتی منصوبے ظاہر کئے گئے

مالا مال ہے اور معدنیات کے شعبے میں اسے معاشی سرگرمیوں کا گڑھ بنانے کی بے پناہ استعداد پائی جاتی ہے لیکن پی ایس ڈی پی میں مختص کی جانے والی رقوم کو دیکھیں تو یہ شعبہ ترجیحات میں سب سے پیچھے دکھائی دیتا ہے۔ کئی دیگر شعبوں کا بھی یہی معاملہ ہے (جدول 3)۔

جدول 1: پی ایس ڈی پی میں شعبوں کے لحاظ سے رقوم کی تخصیص

2018-19	2017-18	2016-17	2015-16	2014-15	2013-14	
1.58	17.75	27.29	4.78	3.96	12.29	دیگر سکیمیں
9.80	7.87	21.43	8.49	9.01	5.42	پبلک ہیلتھ انجینئرنگ
22.88	19.69	13.50	19.91	19.62	18.61	مواصلات
14.11	10.65	9.34	18.71	23.13	23.12	تعلیم
9.98	8.53	5.58	5.43	6.96	6.37	پانی
4.36	5.71	5.10	7.71	6.88	5.21	زراعت
8.41	7.10	5.09	7.04	8.64	9.21	صحت
6.65	7.21	3.56	5.36	6.50	4.09	پی پی اینڈ ایچ
3.10	2.39	3.51	6.54	6.57	6.14	بجلی
2.57	4.80	2.07	10.70	1.10	0.68	لوکل گورنمنٹ
1.57	1.40	0.73	1.02	3.57	0.38	کھیل
0.34	0.58	0.51	0.38	0.76	2.18	ماہی گیری
0.57	0.52	0.39	0.39	0.61	0.14	ثقافت
0.35	0.23	0.39	0.08	0.50	0.06	صنعت
1.42	2.00	0.38	0.34	0.29	0.64	انفارمیشن ٹیکنالوجی
1.67	0.65	0.34	0.17	0.39	0.23	سماجی بہبود
0.61	0.67	0.28	0.70	0.56	1.19	لائیوسٹاک
0.41	0.46	0.17	0.11	0.24	0.14	جنگلات
1.31	1.18	0.11	0.76	0.62	0.09	اربن پی اینڈ ڈی
0.06	0.02	0.09	0.09	0.30	2.43	معدنیات
0.24	0.16	0.08	0.28	0.29	1.25	افرادی قوت
0.08	0.16	0.02	0.02	-	-	ترقی خواتین
0.02	0.10	0.02	0.00	0.11	0.07	سیاحت
0.00	0.00	0.00	0.02	-	-	اطلاعات
0.13	0.01	0.00	0.00	0.40	0.06	ماحولیات
0.06	0.16	-	-	-	-	بہبود آبادی
0.03	-	-	-	-	-	خوراک
0.41	0.46	0.17	0.11	0.24	0.14	جنگلات

جدول 2: 5 اولین ترجیحی شعبے (رقوم کی تخصیص کے مطابق)

2018-19	2017-18	2016-17	2015-16	2014-15	2013-14	
1.58	17.75	**27.29**			12.29	دیگر سکیمیں
22.88	**19.69**	13.50	**19.91**	19.62	18.61	مواصلات
14.11	10.65	9.34	18.71	**23.13**	**23.12**	تعلیم
9.98	8.53	5.58		6.96	6.37	پانی
8.41				8.64	9.21	صحت

جدول 3: سب سے کم ترجیح والے 5 شعبے (رقوم کی تخصیص کے مطابق)

			0.08		**0.06**	صنعت
0.06	0.02			0.30		معدنیات
0.02	0.10	0.02	**0.00**	**0.11**	0.07	سیاحت
0.00	**0.00**	**0.00**	0.02			اطلاعات
	0.01	**0.00**	**0.00**		**0.06**	ماحولیات

اہم شعبوں کے لئے رقوم کی تخصیص (2015-16 سے 2018-19 تک)

i. محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ

محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کی ذمہ داری ہے کہ یہ پینے کے پانی اور صفائی ستھرائی کی خدمات کی فراہمی، روزمرہ کاموں میں صحت مندانہ عادات کی ترویج کے لئے مشاورتوں اور ماحول کی بہتری کے ذریعے عوام کی صحت اور فلاح یقینی بناتا ہے۔

پی ایس ڈی پی 2018-19 میں کل 8.64 ارب روپے کی رقوم مختص کی گئیں جو کل 1009 ترقیاتی سکیموں کے لئے تھیں (جدول 4)۔ محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کی سکیموں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے کیونکہ پینے کے صاف پانی تک رسائی کا مسئلہ بلوچستان میں شدت پکڑ رہا ہے۔ یہ محکمہ اپنی ان ذمہ داریوں کی بدولت 'سب کے لئے پانی اور صفائی ستھرائی' سے متعلق پائیدار ترقی کے عالمی مقصد نمبر 6 میں براہ راست کردار ادا کرتا ہے۔

ii. محکمہ آبپاشی

پانی سے متعلق محکموں مثلاً پبلک ہیلتھ انجینئرنگ اور آبپاشی/پانی کے لئے فنڈز کی قابل ذکر فراہمی کے باوجود بلوچستان 2030 تک پینے کے صاف پانی اور صفائی ستھرائی تک رسائی یقینی بنانے کے حوالے سے پیچھے ہے اور صحیح راہ پر آگے نہیں بڑھ رہا۔ پانی کے شعبے کو زیادہ توجہ اور وسائل کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں سرمایہ لگانے کے نظاموں کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اس شعبے کی زوال پذیر صورتحال میں بہتری لائی جاسکے۔

2015-16 سے اب تک فنڈز کی تخصیص میں کئی گنا اضافہ ہوا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت بلوچستان صوبے کو درپیش انتہائی فوری نوعیت کے اس مسئلے یعنی پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے کس قدر پرعزم ہے۔

iii. محکمہ کمیونیکیشن اینڈ ورکس

محکمہ کمیونیکیشن اینڈ ورکس کا کام بنیادی ڈھانچے یعنی سڑکوں اور سرکاری عمارتوں کی تعمیر اور دیکھ بھال ہے۔ رجحان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ رقوم کی تخصیص اور سکیموں کی تعداد دونوں میں اضافہ ہوا ہے (جدول 6)۔ سڑکوں کے نیٹ ورکس میں بالخصوص بڑے شہروں میں مسلسل بہتری دیکھنے کو ملتی ہے۔

iv. شعبہ صحت

حکومت بلوچستان حفظان صحت کی باہم مربوط اور پائیدار خدمات کی فراہمی کے لئے پرعزم ہے۔ اس شعبے میں مرکزی توجہ زچہ، نومولود اور بچوں کی صحت، پولیو، حفاظتی ٹیکوں اور بڑی بیماریوں کی شرح کم کرنے کے ساتھ ساتھ ہسپتالوں اور صحت کی دیگر سہولیات کے بنیادی ڈھانچے میں معاونت پر دی جارہی ہے۔ رجحان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ رقوم کی تخصیص میں کمی آتی جارہی ہے (جدول 7)۔ یہ شعبہ چونکہ مجموعی ترقی

جدول 4: پی ایس ڈی پی میں محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے لئے رقوم کی تخصیص

پبلک ہیلتھ انجینئرنگ (پی ایچ ای)	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	1507.72	58	3119.80	187	4627.53	245
2016-17	2389.85	96	12765.60	152	15255.52	248
2017-18	2969.51	66	3802.87	204	6772.39	270
2018-19	2262.18	88	6386.55	921	8648.73	1009

جدول 5: پی ایس ڈی پی میں محکمہ آبپاشی کے لئے رقوم کی تخصیص

آبپاشی/پانی	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	672.71	64	2286.81	135	2961.53	199
2016-17	741.58	98	3226.96	83	3968.54	181
2017-18	4089.88	77	3250.38	145	7340.26	222
2018-19	4301.07	92	4510.05	269	8811.13	361

جدول 6: پی ایس ڈی پی میں محکمہ کمیونیکیشن اینڈ ورکس کے لئے رقوم کی تخصیص

کمیونیکیشن اینڈ ورکس	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	5374.14	289	5480.46	211	10854.61	500
2016-17	4748.74	329	4858.05	166	9606.79	495
2017-18	9106.14	286	7827.68	276	16933.82	562

جدول 7: پی ایس ڈی پی میں شعبہ صحت کے لئے رقوم کی تخصیص

شعبہ صحت	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	2235.86	66	1603.98	65	3839.84	131
2016-17	2489.85	96	12765.66	152	15255.52	248
2017-18	3725.41	79	2381.64	68	6107.04	147
2018-19	3114.18	100	4306.00	172	7420.18	272

جدول 8: پی ایس ڈی پی میں شعبہ تعلیم کے لئے رقوم کی تخصیص

شعبہ تعلیم	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	4436.38	127	5740.49	169	10196.87	296
2016-17	2827.26	72	793.646	52	3620.912	124
2017-18	6636.25	190	2527.88	141	9164.133	331
2018-19	5704.47	205	6747.83	449	12452.31	654

جدول 9: پی ایس ڈی پی میں ترقی خواتین کے لئے رقوم کی تخصیص

ترقی خواتین	فنڈز کی تخصیص جاری سکیمیں	جاری سکیمیں	فنڈز کی تخصیص نئی سکیمیں	نئی سکیمیں	کل رقوم کی تخصیص	کل سکیمیں
2015-16	8689.00	1	0.00	0	8689.00	1
2016-17	1.50	1	15.00	1	16.50	2
2017-18	10.96	1	125.00	3	135.96	4
2018-19	12.00	1	55.00	4	67.00	7

کے اشاریوں کا ایک اہم جزو ہے اس لئے اس پر توجہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔

v. شعبہ تعلیم

تعلیم کا حصہ دوسرے نمبر پر آتا ہے جس کے لئے پی ایس ڈی پی 2018-19 میں 12.45 ارب روپے مختص کئے گئے ہیں۔ حکومت بلوچستان نے رواں سال کے لئے سکیموں کی تعداد بڑھائی ہے جبکہ گزشتہ سالوں کے مقابلے میں بجٹ میں بھی خاطرخواہ اضافہ کیا گیا ہے (جدول 8)۔ شرح خواندگی میں بہتری لانے اور اس بات کو یقینی بنانے کا حکومتی عزم کہ پائیدار ترقی کے عالمی مقصد نمبر 4 کے تحت باہمی شمولیت پر مبنی مساویانہ معیاری تعلیم اور سب کے لئے سیکھنے کے مواقع کا فروغ یقینی بنایا جائے، اولین ترجیحات میں نظر آتا ہے۔

vi. ترقی خواتین

محکمہ ترقی خواتین کے لئے رقوم کی تخصیص اور سکیموں کی کل تعداد کا رجحان نمایاں حد تک پست رہا ہے (جدول 9)۔

اس رجحان کا ایک سبب یہ ہے کہ خواتین سے متعلق بعض پروگراموں کو پی ایس ڈی پی کے دیگر شعبوں کے تحت رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً پی ایس ڈی پی 2016-17 میں محکمے نے کوئٹہ، مچھ، ڈیرہ مراد جمالی، خضدار اور گڈانی کی مختلف جیلوں میں الگ خواتین یونٹ قائم کرنے کی کوشش کی جنہیں پی ایس ڈی پی کے ایک اور سیکشن میں ظاہر کیا گیا ہے۔ پی ایس ڈی پی 2018-19 میں محکمے کے تحت دیگر اہم منصوبے / سکیمیں درج ذیل ہیں:

الف کچھی، لورالائی اور نصیر آباد میں ڈویژنل سطح پر خواتین مراکز کا قیام- 5 ملین روپے (کل لاگت 120 ملین روپے ہے)۔

ب کوئٹہ میں سیلز اینڈ ڈسپلے سنٹر کا قیام- 7 ملین روپے

ج ڈائریکٹوریٹ آف ویمن ڈویلپمنٹ، کوئٹہ کا قیام- 7 ملین روپے

د ورکنگ ویمن ہاسٹل، کوئٹہ- 15 ملین روپے۔

اگلے سال میں ڈالنے کا بڑھتا رجحان اور اس کے اثرات

شکل 3 میں جاری اور نئی سکیموں کی تفصیلات کے علاوہ پی ایس ڈی پی کے تحت سکیموں کو اگلے سال میں ڈالنے کا بڑھتا رجحان دکھایا گیا ہے۔ منصوبوں اور سکیموں کو اگلے سال میں ڈالنے کا یہ رجحان اپنے اثرات بھی دکھاتا ہے، وسائل کا ضیاع ہوتا ہے (جو کچھ کام ہو چکا ہو اس کی پائیداری جاتی رہتی ہے، بگاڑ آجاتا ہے اور موقع محل والی بات نہیں رہتی)، تعمیر شدہ ڈھانچے توڑ پھوڑ کا شکار ہو جاتے ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ بگاڑ بڑھتا جاتا ہے اور عوامی مفاد میں نئی جدت آمیز سکیمیں متعارف کرانے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پی ایس ڈی پی کی سکیموں کو اگلے سال میں ڈالنے کے بجائے سرمایہ لگانے کے متبادل طریقے استعمال کئے جائیں۔

فنڈز کی تقسیم کی نگرانی

اس بات کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ پی ایس ڈی پی کی مناسب نگرانی کی جائے اور یہ ترقیاتی فریم ورک سے ہم آہنگ رہیں جس میں پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ نے اس پہلو کو پیش نظر رکھا ہے جس نے اعلان کیا ہے کہ پی ایس ڈی پی 2018-19 کے مجوزہ منصوبوں کا درج ذیل حکمت عملیوں اور منصوبوں سے ہم آہنگ ہونا لازم ہے:

☆ بلوچستان اکنامک رپورٹ 2008

☆ بلوچستان ترقیاتی ضروریات کا تجزیہ (بی ڈی این اے) 2012

☆ بلوچستان جامع ترقیاتی حکمت عملی (2013-18)

☆ پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جیز)

☆ کثیر جہتی غربت انڈکس (ایم پی آئی)

☆ مختلف شعبوں کی دیگر متعلقہ پالیسیاں اور حکمت عملیاں

پی ایس ڈی پی کی تشکیل کے وقت مختلف شعبوں کے درمیان کوآرڈینیشن کے مسائل دور کرنے کے لئے حکومت نے مالی اختیارات محکمانہ ذیلی کمیٹیوں کو سونپ دیئے جو ترقیاتی سکیموں کی منظوری دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں محکمانہ ذیلی کمیٹیوں کے مالی اختیارات ترقیاتی سکیموں کی منظوری کے سلسلے میں 10 ملین روپے سے بڑھا کر 100 ملین روپے کر دیئے گئے۔

بلوچستان میں اگرچہ بڑے پیمانے پر سرکاری سرمایہ کاری ہوئی ہے لیکن سماجی و اقتصادی اشاریوں کی کارکردگی دیگر صوبوں کے مقابلے میں کچھ اتنی اچھی نہیں ہے۔ متعدد شعبے مثلاً گزشتہ چند سالوں سے امن و امان کی صورتحال، موزوں شفافیت کا فقدان، احتساب کے نظام، طرز حکمرانی کے مسائل وغیرہ اس میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ دیگر مشکلات درج ذیل ہیں:

1. محکموں کی طرف سے بعض سکیموں کے حوالے سے احساس ملکیت کا فقدان۔

2. سیاسی مداخلت اور ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے بعض شعبوں کو پالیسی اور فیصلہ سازی میں اولین ترجیح نہیں ملتی۔

3. سکیموں میں بار بار کی تبدیلیاں، جو پی ایس ڈی پی کی منظوری کے بعد بھی ہوتی رہتی ہیں، بھی ایک چیلنج ہیں۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ 'پری فزیبلٹی سٹڈی' اور لاگت اور فوائد کے تجزیہ کے بعد منصوبے جب شروع ہو جاتے ہیں تو ان کے عرصہ حیات کے دوران، ان کے بجٹ میں کٹوتیاں نہ کی جائیں۔

4. سرکاری شعبے کے دستیاب وسائل، نظاموں اور تحقیق سے متعلق ڈیٹا اور معلومات کی بالعموم کمی ایک اور اہم عامل ہے جس کی وجہ سے حکومت مناسب سیاق و سباق کے ساتھ منصوبہ بندی کر سکتی ہے نہ دستیاب وسائل کو بھرپور انداز میں بروئے کار لا سکتی ہے۔ اس رکاوٹ کے ہاتھوں محکموں اور منصوبہ بندی کے اصل مرکز یعنی محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ شواہد کے بغیر ہی منصوبہ بندی کریں۔ جدید منصوبہ بندی تحقیقی اور عملی شواہد کی بنیاد پر چلتی ہے۔ معلومات کے اسی فقدان کی وجہ سے پی سی ون کی تیاری اور اسے بہتر بنانے میں مختلف محکموں اور محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کی استعداد محدود ہو جاتی ہے اور پی ڈی ڈبلیو پی ان کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لینے سے قاصر رہتا ہے۔ منصوبہ بندی اور ترقی کے لئے شواہد اور استعداد کے اس فقدان کے پیش نظر کسی حد تک اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ بعض شعبوں میں خاطرخواہ فنڈز کی فراہمی کے باوجود افزائش اور ترقی دیکھنے میں کیوں نہیں آتی۔

شکل 3: اگلے سال پر ڈالنے کا رجحان

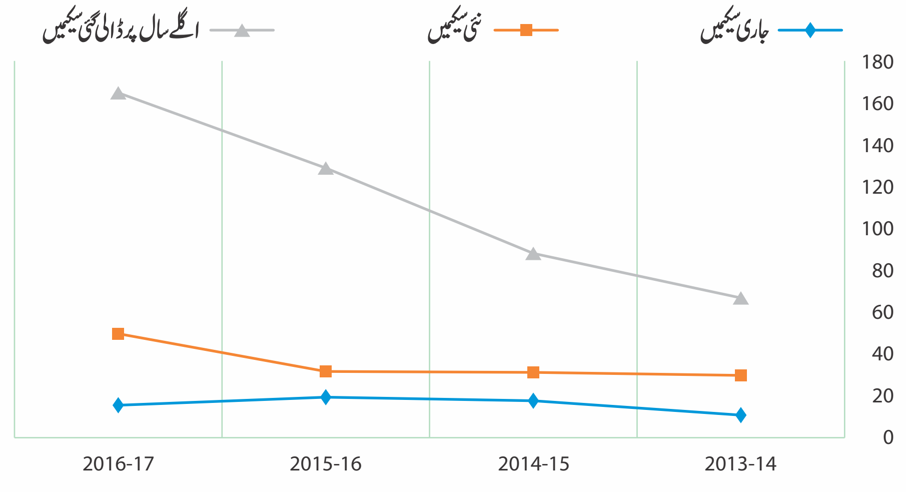

ذریعہ: محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ، حکومت پنجاب

5. محکمے دانستہ فنڈز کو استعمال نہیں کرتے کہ اس طرح آنے والے سال یا سالوں میں سیکیم کی لاگت پر نظر ثانی کا موقع پیدا ہو جائے گا۔

6. محکمہ خزانہ کی طرف سے فنڈز کے اجراء میں تاخیر (فنڈز کی کمی یا دیگر وجوہات کی بناء پر)۔

7. ترقی کی راہ میں درپیش رکاوٹیں (صوبے کا وسیع رقبہ)۔

8. سی پیک کے لئے انسانی وسائل کی ترقی۔

9. سرکاری خزانے کے نظم ونسق میں اصلاحات - مالی نظم وضبط میں بہتری۔

10. سیکموں کے تعین، تیاری اور عملدرآمد میں حصہ لینے والے تمام کرداروں کی طرف سے مناسب تفصیلی منصوبہ بندی کا فقدان پایا جاتا ہے۔

11. کسی خاص نوعیت کی سیکموں / افراد کے حق میں رجحانات اور ترجیحات میں تبدیلی۔

12. صوبے کے اپنے ریونیو ذرائع مثلاً ٹیکس اصلاحات کے ذریعے ریونیو میں اضافہ۔

13. بجٹ خسارہ۔

14. بعض صورتوں میں سیکموں پر کام کرنے والے محکمے / ادارے کی طرف سے فنڈز کے بروقت استعمال میں دلچسپی کا فقدان -اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان فنڈز کو کسی دوسری سیکموں کے لئے ازسرنو مختص کرنا چاہتے ہیں۔

حاصل بحث

1. پی ایس ڈی پی کو موثر بنانے کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ متعلقہ ادارے بعض منتخب منصوبوں اور ان کی تشکیل میں سیاسی مداخلت محدود کریں۔

2. محکمہ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ اور متعلقہ محکمے باقاعدہ وقفوں کے ساتھ پیشرفت کا جائزہ لیں۔

3. حکومت بلوچستان نے منصوبہ بندی اور ترقی کے عمل کو بھرپور بنانے کے لئے بعض دیگر اچھے اقدامات بھی کئے ہیں۔ انہی کاوشوں میں سے ایک یہ ہے کہ مختص شدہ سیکموں کو روکنے سے حتی الوسع حد تک گریز کیا جائے۔ مزید برآں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ مرمت اور خریداری کی سکیموں کو نئے پی ایس ڈی پی میں زیرغور نہیں لایا جائے گا۔

4. صوبائی حکومت کا ایک اور اچھا اقدام یہ ہے کہ وہ ڈویژن کی سطح پر قبل از بجٹ مشاورتی ورکشاپس کا اہتمام کر رہی ہے اور گزشتہ دو سال سے شہری بجٹ تیار کیا جا رہا ہے۔ اس کاوش سے عوامی اعتماد بہتر ہوگا اور لوگوں میں اختیار کا احساس پیدا ہوگا۔ اس کی بدولت لوگوں کو آئندہ مالی سال کے لئے حکومت کے فراہمی خدمات کے منصوبے کو سمجھنے اور پالیسی سازی میں حصہ لینے میں بھی مدد ملے گی۔

سرکاری شعبے کی اصلاح کوئی نئی بات نہیں۔ جدید حکومتیں اور ریاستی ادارے طرز حکمرانی اور پالیسی سازی کی کارروائیوں کو زیرغور لاتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک معمول کے تحت مدت وار جائزے اور اصلاحات سامنے آتے رہتے ہیں۔ موجودہ حکومت اگر صوبے کے ناگفتہ بہ سماجی واقتصادی اشاریوں پر پیشرفت تیز کرنا چاہتی ہے تو اسے پی ایس ڈی پی اور بحیثیت مجموعی ترقیاتی ماڈل کی اصلاح کو اولین ترجیح دینا ہوگی۔ قلیل مدت میں ایک اچھا نقطہ آغاز یہ ہوسکتا ہے کہ ایک باقاعدہ لائحہ عمل کے تحت متعلقہ تکنیکی اداروں کو بااختیار بنادیا جائے کہ وہ منظم عملی شواہد کی بنیاد پر ترقیاتی سیکموں کی منصوبہ بندی اور ان پر عملدرآمد کریں۔ درمیانی مدت میں پی ایس ڈی پی کی اصلاح کے بعد ترقیاتی ماڈل کو بدلنے کی جانب قدم بڑھایا جائے اور اسے معاشی افزائش اور اثرات اوپر سے نیچے تک لانے کے فلسفہ کی بنیاد پر وضع کیا جائے۔ اس ماڈل میں مزید تبدیلی لا کر انسانی ترقی کو اولین ترجیح دی جاسکتی ہے۔ انسانی ترقی کو اصل مقصد ہی رہنا چاہئے اور اسے اصل مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ منصوبہ بندی اور ترقی کے عمل میں شرکت پر مبنی جمہوری سوچ لانے کے لئے سیاسی، انتظامی اور مالی اختیارات اور ذمہ داریاں نچلی سطح پر منتقل کی جائیں۔

انسانی سرمایہ پر سرمایہ کاری کی کمی : بلوچستان کی سماجی و معاشی ترقی میں رکاوٹ

محفوظ علی خان

کوآرڈینیٹر، گورننس اینڈ پالیسی پراجیکٹ (جی ڈی پی)، (ورلڈ بینک-ایم ٹی ڈی ایف)، محکمہ منصوبہ بندی وترقی، حکومت بلوچستان

سابق سیکرٹری خزانہ، حکومت بلوچستان

ممبر این ایف سی، بلوچستان

بلوچستان کو سب سے امیر لیکن سب سے کم وسائل والا صوبہ قرار دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں نکالی جانے والی کل معدنیات میں سے تقریباً 70 فیصد بلوچستان سے نکالی جا رہی ہیں۔ اس کی ساحلی پٹی 740 کلومیٹر طویل ہے جو سیاحت اور ماہی گیری کے لئے بے پناہ استعداد کی حامل ہے جبکہ بین الاقوامی سطح پر اس کی سرحدیں افغانستان اور ایران سے ملتی ہیں۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہ سب سے غریب اور سب سے پسماندہ صوبہ کیوں ہے؟ کئی عوامل ایسے ہیں جو صوبے کی معاشی وسماجی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں لیکن سب سے بڑی رکاوٹ، جو کل بھی تھی اور آج بھی ہے، انسانی سرمایہ پر سرمایہ کاری کی کمی ہے۔ قدرتی وسائل کی طرح بلوچستان انسانی وسائل کی دولت سے بھی مالا مال ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس استعداد کو شروع دن سے ہی بروئے کار نہیں لایا گیا۔

اکتوبر 1948 میں جب بلوچستان کو پاکستان میں شامل کیا گیا تو پاکستان کے دوسرے صوبوں کے برعکس اس میں برٹش بلوچستان، قلات، کھاران، مکران اور لسبیلہ کی ریاستیں بھی شامل تھیں۔ برٹش بلوچستان کا انگریز انتظامی ڈھانچہ تھا جبکہ دیگر چاروں ریاستوں کے اپنے اپنے انتظامی اور قانونی نظام تھے۔ پاکستان سے الحاق کے فوراً بعد چاروں ریاستوں کو بلوچستان سٹیٹ یونین (بی ایس یو) میں ضم کر دیا گیا اور بعد ازاں جون 1954 میں بی ایس یو کو برٹش بلوچستان کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ دونوں طرح کے اس انضمام سے انتظامی ڈھانچہ تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا کیونکہ ریاستوں کے اہلکار ایسا کوئی علم نہ رکھتے تھے کہ برٹش انتظامی ڈھانچہ کس طرح کام کرتا ہے۔ ایک اور دھچکا اکتوبر 1955 میں اس وقت لگا جب پانچوں یونٹوں کو سابقہ مغربی پاکستان کے ون یونٹ میں ضم کر دیا گیا۔ لہٰذا یہ صوبہ اپنا انتظامی ڈھانچہ تعمیر ہی نہیں کر پایا اور صوبے میں کام کرنے والے افسران اس خطے میں کوئی دلچسپی رکھتے ہیں نہ انہیں اس کی کوئی سمجھ بوجھ ہے۔

درمیانی اور بالائی سطحوں پر مقامی افرادی قوت کی برائے نام کوئی نمائندگی تھی۔ ون یونٹ کی تحلیل کے بعد افسران اپنی پسند کے نئے یا اپنے آبائی صوبوں میں چلے گئے اور بلوچستان میں چونکہ صوبائی ملازمتی ڈھانچے کا فقدان تھا اس لئے پوری عمارت ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ 1948 سے 1970 تک بلوچستان کے اداروں کی تعمیر پر مرکزی حکومت نے کوئی توجہ نہ دی اور یہ صوبہ محض 600 ملین روپے کے معمولی بجٹ پر چلتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو بھی حکومتیں آئیں ان کی پہلی ترجیح یہی رہی کہ معاشی بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کی جائے اور فعال انسانی وسائل کی تیاری اور ترقی جسے سب سے زیادہ اہمیت ملنی چاہئے تھی، اس پر کوئی سرمایہ کاری نہ کی گئی۔

قدرتی وسائل کا ثمر آور استعمال تبھی ہوسکتا ہے جب فعال اور عمدہ افرادی قوت موجود ہو۔ حالیہ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو کئی ممالک نے اپنی افرادی قوت کو بروئے کار لا کر ترقی کی ہے۔ سنگاپور اور چین اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر وسائل کو ثمر آور مقاصد کے لئے بروئے کار نہیں لایا جائے گا تو یہ توانائیاں تباہ کن مقاصد کے لئے سماج کش عناصر کی قوت بن جائیں گی۔

ان وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے ایک طے شدہ سوچے سمجھے منصوبے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے سول ملازمین کی استعداد بہتر کرنا ہو گی اور پھر نوجوانوں کو اس قابل بنانا ہو گا کہ وہ مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں۔ جب تک یہ دورخی حکمت عملی نہیں اپنائی جاتی یہ پہلو صوبے کی سماجی و معاشی ترقی میں رکاوٹ بنا رہے گا۔ اور صرف یہی نہیں یہ اپنا منفی اثر دکھائے گا۔

جہاں تک موجودہ سول ملازمین کا تعلق ہے تو ان کی استعداد بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ عمدہ طرز حکمرانی کے لئے اہل اور باصلاحیت سول سروس کی ضرورت ہوتی ہے۔ افرادی قوت کو فعال اور موثر بنانے کے لئے اداروں کی سطح پر تربیتی نظام کی ضرورت ہے۔ سول سروس کے تمام شعبوں میں پیشہ ورانہ تربیت کے ادارے ہونے چاہئیں جہاں باصلاحیت، تربیت یافتہ اور لگن سے بھرپور تربیت کار موجود ہوں۔

بدقسمتی سے اس وقت، دو یا تین غیر فعال یا نیم فعال تربیتی اداروں مثلاً رورل اکیڈمی، بلوچستان اکیڈمی کالج ٹیچرز اور جوڈیشل اکیڈمی کے سوا کوئی منظم ادارہ جاتی تربیتی نظام موجود نہیں۔ صوبہ یا آئی این جی اوز کے زیر انتظام تربیتی کورسز کا محتاج ہے یا پھر وفاقی حکومت کے اداروں کا۔ کبھی کبھار افسران کو دوسرے صوبوں میں تربیت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ تربیت اور ترویج ایک جاری عمل ہے۔ ہر اہلکار کو اپنے پورے کیریئر کے دوران تربیتی اور استعداد میں بہتری کے کورسز کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

نوجوانوں کی استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے صوبے میں تمام بڑے شعبوں کے لئے ہر درجے کے پیشہ ورانہ تربیتی ادارے ہونے چاہئیں۔ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تربیت کے موجودہ اداروں کے خستہ حال ڈھانچے کو ختم کرنا ہو گا تا کہ جدید ٹیکنالوجی پر مبنی شعبوں کے لئے گنجائش پیدا ہو۔ ان اداروں کو مارکیٹ سے اعلیٰ قابلیت اور صلاحیت کے حامل تربیتی عملہ کی خدمات درکار ہیں۔ بھلے صوبائی حکومت نے 1970 کے بعد سول سیکرٹیریٹ اور ضلعی انتظامیہ کا نظام چلانے کے لئے سول سروس کا ایک صوبائی ڈھانچہ قائم کر لیا تھا لیکن یہ استعداد کے بے شمار مسائل کا شکار ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ بھاری فنڈز ضائع ہو رہے ہیں۔

ایک اور رکاوٹ جو سول سروس کی عمدہ کارکردگی میں مانع ہے فرسودہ اور خستہ حال قانونی فریم ورک ہے۔ صوبہ اپنے روزمرہ امور ان قواعد، ضوابط اور طریقوں پر چلا رہا ہے جو حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔ مثال کے طور پر بلوچستان پبلک پروکیورمنٹ قواعد 2015، کے نفاذ سے پہلے ہر محکمہ اپنی پروکیورمنٹ کا کام خریداری کے ان کتابچوں کی بنیاد پر چلا رہا تھا جو مختلف خدمات اور کنسلٹنسی خدمات کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتے۔ اسی طرح 1964 کے مالی اختیارات کے قواعد کی تفویض پر کام چل رہا تھا۔ سول سروس کے لئے تمام تر قانونی فریم ورک فراہم کرنے والے ان قواعد وضوابط کو موجودہ حالات کے مطابق ڈھالنے کے لئے کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

وقت کے ساتھ نہ صرف حکومتی فرائض اور امور میں اضافہ ہوا ہے بلکہ بدلتی ٹیکنالوجیز نے سول ملازمین کو نئے چیلنجوں سے دوچار کر دیا ہے جس کے

لئے وہ نہ تو صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی ضروری آلات سے لیس ہیں۔ اس وقت انتظامیہ کی ہر سطح کے ریگولر سرکاری ملازمین کی تعداد 270,000 سے تجاوز کر چکی ہے اور خودمختار اداروں کے سرکاری ملازمین اس کے علاوہ ہیں۔ اضلاع کی تعداد 8 سے بڑھ کر 34 تک پہنچ چکی ہے۔

حکومتوں نے یہ روش اپنائے رکھی کہ نئے انتظامی یونٹ بنائے چلی جا رہی ہیں لیکن انہیں چلانے ے لئے تربیت یافتہ افرادی قوت پر کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ پرویز مشرف کے دور میں پولیس دائرہ اختیار کے تحت 'بی ایریا' کو 'اے ایریا' میں تبدیل کرنے کے لئے لیویز فورس کو پولیس میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ تبدیلی متعارف کراتے وقت حکومت نے ایک سب سے اہم پہلو کو نظرانداز کر دیا کہ ان اہلکاروں کو تربیت دی جائے اور ان کی استعداد بہتر بنائی جائے جنہوں نے اضافہ شدہ افرادی قوت کے دفتری اور فیلڈ کے امور کو چلانا تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ استعداد میں بہتری نہ آنے کے باعث پولیس کا دائرہ 5 فیصد سے بڑھ کر 100 فیصد علاقے تک پھیل گیا۔ اس کا منفی اثر ہوا اور اربوں روپے خرچ کرنے کے بعد اس سکیم کو ختم کر دیا گیا۔ لیویز ایک قبائلی فورس ہے جو ایک مختلف پس منظر اور پیش منظر کی حامل ہے اور اسے پولیس میں ضم کرنے کے دو، دو حکمران ڈھانچے بن گئے اور اندرونی تنازعات پیدا ہونے لگے۔ اس عمل میں نہ صرف اربوں روپے ضائع ہو گئے بلکہ نظم وضبط بھی سمجھوتے کا شکار ہو گیا۔

موجودہ پولیس اور لیویز فورس بھی معیاری تربیتی سہولیات کی کمی کا شکار ہیں۔ بنیادی تعارف کی ابتدائی تربیت دی جاتی ہے اور اس کے بعد کسی ریگولر یا مدت وار تربیت کا کوئی وجود نہیں۔ اس طرح پوری فورس سالوں پرانے قواعد پر چل رہی ہے جسے کوئی باضابطہ تربیت نہیں ملتی جس کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہ جاتا کہ سماجی ومعاشی ترقی پر اور پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے حصول پر یہ کیا اثر دکھائے گی۔

ترقیاتی منصوبوں کی ناکامی کی ایک عام وجہ یہ ہے کہ ان میں شروع سے ہی خامیاں موجود ہوتی ہیں۔ چیزیں کس طرح چلتی ہیں، اس بارے میں علم کی کمی اس نحیف معیشت کے لئے بڑے نقصانات کا باعث بنتی ہے جو مالی کرپشن سے بھی زیادہ اثر دکھاتے ہیں۔ پچاس سالوں میں منصوبہ بندی کا محکمہ اپنی منصوبہ بندی کا طریقہ کار طے نہیں کر پایا اور زیادہ تر کام محض صوابدید پر ہی چل رہا ہے۔ تربیت کی کمی اور اس کے ساتھ ساتھ استعداد کے مسائل کی وجہ سے نگرانی کا نظام تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

صوبے میں کسی بھی بامعنی سماجی ومعاشی تبدیلی کا واحد راستہ یہی ہے کہ انسانی سرمایہ پر سرمایہ کاری کی جائے۔ دانشمندانہ سرمایہ کاری کر دی جائے تو مثبت نتائج لانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ بلوچستان پہلے ہی کئی مواقع گنوا چکا ہے اور لاپرواہی کا یہ سلسلہ جاری رہا تو یہ تباہ کن اثرات دکھائے گا۔ ہمارے نوجوان ہاتھوں سے نکل رہے ہیں اور اگر اب بھی کچھ نہ کیا گیا تو وہ مزید بیگانگی کا شکار ہو جائیں گے۔ سول سروس کے موجودہ ڈھانچے کی استعداد میں بہتری کی اشد ضرورت ہے۔ ان کے سامنے جو کٹھن چیلنج موجود ہیں وہ ان کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پرانے، فرسودہ اور خستہ حال قواعد، ضوابط اور قوانین کو اپ ڈیٹ کرنے کے لئے آپریشنز اینڈ مینٹی ننس کے فعال اور مستعد نظام کی اشد ضرورت ہے۔ ان اقدامات کو عمل میں لاتے ہوئے یہ امر بھی ناگزیر ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں پر توجہ مرکوز کریں جو ہمارے مستقبل کی امید ہیں اور وہ کچھ کر دکھانے کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔ کسی بھی طرح کی پائیدار سماجی و معاشی ترقی کے لئے انہیں مرکزی دھارے میں لانا انتہائی ضروری ہے۔

آراء

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) اور بلوچستان

رفیع اللہ کاکڑ

پبلک پالیسی اینڈ ڈویلپمنٹ سپیشلسٹ

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) چین کے 'ون بیلٹ ون روڈ' پروگرام کا مرکزی پراجیکٹ ہے جس پر کئی ارب ڈالر لاگت آئے گی۔ سی پیک پر پاکستان میں ملے جلے جذبات سامنے آرہے ہیں اور اس حوالے سے بحث زوروں پر ہے۔ ایک طرف وفاقی حکومت اسے 'گیم چینجر' کا نام دیتی ہے تو دوسری جانب صوبوں کی اشرافیہ کو پریشانی لاحق ہے کہ یہ ایک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل اختیار کرسکتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ نہ تو گیم چینجر ہے اور نہ ہی یہ بات طے ہے کہ یہ جدید دور کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا روپ دھار لے گا۔ سی پیک سے بنیادی ڈھانچے اور توانائی کے شعبوں میں پائی جانے والی نمایاں کمی کو دور کرنے میں مدد ملے گی اور یہ دونوں شعبے پاکستان کے سیاق وسباق میں افزائش کے محرک بن سکتے ہیں۔ بہر حال پاکستان کو معاشی افزائش کے ان ثمرات کو ممکن بنانے اور تقسیم سے متعلق منفی اثرات کا تدارک کرنے کے لئے بھرپور پیمانے پر ضمنی اصلاحات اور اصلاحی اقدامات کرنا پڑیں گے۔

سی پیک پر عوامی بحث کا ایک اہم پہلو سی پیک سے پاکستان میں افقی عدم مساوات میں بگاڑ سے متعلق ہے۔ صوبوں کے متعلقہ فریقوں کو خاص طور پر تشویش لاحق ہے کہ سی پیک کے تحت کل سرمایہ کاری کے جو وعدے کئے گئے ہیں ان میں صوبوں کو منصفانہ حصہ نہیں دیا گیا۔

بلوچستان اپنے سٹریٹجک محل وقوع اور قدرتی وسائل کی بدولت سی پیک کے اہم ستون کی مانند ہے۔ گوادر بندرگاہ اسی صوبے میں بن رہی ہے اور یہ زمینی راستوں سے محروم وسطی ایشیا اور چین کے مغربی حصے کو بحر ہند کے ساتھ جوڑنے کے لئے سب سے کم فاصلے کے روٹ کا کام دیتا ہے۔ یہ صوبہ پاکستان کے کل رقبے کا تقریباً نصف بنتا ہے لیکن اس کے باوجود یہاں بنی ہوئی سڑکیں ملک میں سڑکوں کے مجموعی نیٹ ورک کا محض پانچواں حصہ بنتی ہیں۔ سڑکوں کی گنجانی 0.05 کلومیٹر فی مربع کلومیٹر ہے حالانکہ قومی اوسط 0.30 کلومیٹر فی مربع کلومیٹر ہے۔ صوبے میں ایک بھی ایکسپریس وے یا مال برداری کے لئے دورویہ ہائی وے نہیں ہے۔ اسی طرح بجلی گرڈ سے کنکشن کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے اور بجلی کی ترسیل اور جذب کرنے کی استعداد کے اعتبار سے یہ صوبہ ملک میں سب سے پیچھے ہے۔ پورا مکران ریجن جس میں گوادر بھی شامل ہے، قومی گرڈ سے جڑا ہوا نہیں ہے۔ صوبے میں موجود ترسیل اور گرڈ کا موجودہ نیٹ ورک محض 800 میگاواٹ تک بجلی کی ترسیل اور اسے جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ اصل ضرورت اوسطاً 1600 سے 1700 میگاواٹ ہے۔ علاوہ ازیں بلوچستان میں صنعتی استعمال کے لئے توانائی کا فی کس تصرف قومی اوسط کے مقابلے میں نو گنا کم ہے۔

سی پیک کی بدولت مذکورہ بالا میں سے بعض پہلوؤں کا ازالہ کر کے افزائش کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ سی پیک کے طویل مدتی منصوبہ (ایل ٹی پی) اور ٹرانسپورٹ پلاننگ کی مونوگرافک سٹڈی (Monographic Study) کے تحت گوادر بندرگاہ کی تعمیر ہوئی ہے، گوادر سے ڈیرہ اسماعیل خان تک سڑکوں کے نیٹ ورک کو اپ گریڈ کیا جارہا ہے اور گوادر، خضدار اور کوئٹہ کے درمیان ریل رابطے بنائے جارہے ہیں۔ علاوہ ازیں سی پیک کے طویل مدتی منصوبے میں بجلی کو کمی دور کرنا اور چینی صنعتوں کی صوبے میں منتقلی کے لئے سپیشل اکنامک زونز کا قیام بھی شامل ہے۔ اگر یہ تمام کام ہو جاتے ہیں تو سی پیک کی بدولت بلوچستان کے دروازے کھل جائیں گے اور قومی اور بین الاقوامی منڈیوں کے ساتھ اس کے رابطے استوار ہو جائیں گے جس سے امن واستحکام کو فروغ ملے گا اور صنعتی ترقی میں بہتری آئے گی۔

تاہم بلوچستان میں سی پیک منصوبوں کے شواہد پر مبنی تفصیلی جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمینی حقائق سی پیک کے بارے میں کئے جانے والے سرکاری دعووں سے دوراز کار کی بات ہیں۔ دو بڑے مسائل خاص طور پر یہ خدشات پیدا کرتے ہیں کہ سی پیک کی بدولت افزائش حقیقت کا روپ نہیں دھار پائے گی۔

پہلا، بلوچستان میں سکیورٹی کے مسائل سی پیک کے تحت ہونے والی ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے خطرہ پیدا کرتے ہیں۔ معاشی ترقی تبھی ممکن ہوتی ہے کہ پہلے ایک کم سے کم حد تک امن واستحکام ضرور قائم کیا جائے۔ مقامی آبادی کا ایک حصہ آج بھی ریاستی اتھارٹی کی جائز حیثیت کو چیلنج کرتا نظر آتا ہے جس کے لئے وہ پرتشدد طریقے اپناتا ہے۔ ایک متبادل رائے یہ ہے کہ پہلے سکیورٹی مسائل کو دور کیا جائے اور پھر معاشی ترقی کے پروگرام آگے بڑھائے جائیں۔ ریاست کا کردار اس حوالے سے خاص طور پر ناگزیر ہے کہ یہ طاقت کے استعمال اور جابرانہ ہتھکنڈوں کی حوصلہ شکنی کرے اور اس کے بجائے سیاسی مفاہمت کا راستہ اپنائے۔ کئی بلوچوں کو ڈر ہے کہ سی پیک سے ان کے استحصال اور انہیں الگ تھلگ کرنے کا سلسلہ شدت پکڑ جائے گا۔

دوسرا، سی پیک کی سرمایہ کاری میں پنجاب اور سندھ کی طرف شدید جھکاؤ دیکھنے میں آتا ہے۔ مجموعی طور پر تقریباً 50 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری میں سے صرف 4 ارب ڈالر 2015 سے 2030 کے دوران بلوچستان میں خرچ کئے جائیں گے۔ اس معمولی رقم کا بڑا حصہ توانائی کی پیداوار اور گوادر بندرگاہ کی ترقی کے لئے مختص ہے جبکہ بندرگاہ اور صوبے کے باقی علاقوں کے درمیان رابطے بہتر بنانے پر برائے نام سرمایہ لگایا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام فہم کے برعکس چین آئندہ 15 برس میں گوادر کے ذریعے بیرونی تجارت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے بجائے منصوبہ یہ ہے کہ گوادر کو بلوچستان اور افغانستان سے معدنیات باہر بھجوانے اور بحر ہند کے تمام تر زون میں وسیع تر تجارت کے داخلی مقام کے طور پر استعمال کیا جائے۔

ٹرانسپورٹ کی منصوبہ بندی پر سی پیک کی مونوگرافک سٹڈی (2014-2030) میں تجویز کیا گیا کہ ڈیرہ اسماعیل خان سے سراب تک موجودہ سڑک (750 کلومیٹر) کو 2020 تک چار رویہ ہائی وے کی شکل میں اپ گریڈ کیا جائے۔ دسمبر 2018 تک اس سڑک پر کسی طرح کی پیشرفت فی الواقع دیکھنے کو نہیں ملتی تھی۔ اس سے بھی بدتر یہ کہ اس سڑک کے تین چوتھائی (ژوب- کوئٹہ- سراب سیکشن) کو سی پیک کے بنیادی ڈھانچے میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ واحد سیکشن جو سی پیک کے بنیادی ڈھانچے کے ایجنڈا میں شامل ہے، ڈیرہ اسماعیل خان تا ژوب سیکشن (205 کلومیٹر) ہے لیکن یہاں بھی اصل میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔ گوادر اور خضدار اور کوئٹہ کے درمیان مجوزہ ریل رابطے بھی حقیقت کا روپ دھارتے نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس وہ حصہ جسے سی پیک کے مشرقی حصے کا نام دیا جاتا ہے، اس پر تعمیراتی کام 2019 تک مکمل ہونے کا امکان ہے۔ اسی طرح بلوچستان کے بارے میں ایسا بھی کوئی

امکان نظر نہیں آتا کہ سی پیک کے تحت پیدا ہونے والی توانائی سے اسے کوئی فائدہ پہنچے گا کیونکہ گرڈ سے اس کا رابطہ کم ہے اور ترسیل اور جذب کرنے کی استعداد کمزور رہے۔

جہاں تک صنعتی ترقی کا تعلق ہے تو بلوچستان میں کان کنی، ماہی گیری، لائیوسٹاک، زراعت اور ساحلی سیاحت کے شعبوں میں نجی سرمایہ کاری کے مواقع موجود ہیں۔ 9 ترجیحی سپیشل اکنامک زونز میں سے دو بلوچستان یعنی گوادر اور بوستان میں بنائے جائیں گے۔ گوادر سپیشل اکنامک زون میں براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری (ایف ڈی آئی) کے عمدہ امکانات ہیں۔ ایف ڈی آئی سے متعلق مواد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے میزبان ملک کو روزگار کے مواقع میں اضافہ اور مہارتوں اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کی شکل میں فائدے پہنچنے کی توقع ہوتی ہے۔ تاہم چینی ایف ڈی آئی کا نتیجہ ثمر آور روزگار میں نمایاں اضافے کی صورت میں برآمد ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ بذات خود چین میں بھی افرادی قوت کی بہتات ہے اور وہ اپنی افرادی قوت ساتھ لاتا ہے۔ مزید برآں، بلوچستان کے انسانی وسائل بھی خاصے پسماندہ ہیں جو شاید ایف ڈی آئی سے پیدا ہونے والی تکنیکی ملازمتوں کے تقاضے پورے نہ کر سکیں۔ اسی طرح بوستان سپیشل اکنامک زون ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل میں ہے اور حکومت بلوچستان کے پاس اتنی استعداد نہیں کہ وہ جدید خطوط پر سپیشل اکنامک زون بنا سکے۔ مہارتوں کی کمی اور سرمایہ کاری کے لئے حوصلہ شکن ماحول کے پیش نظر قلیل اور درمیانی مدت میں چینی صنعتوں کی یہاں منتقلی غیر حقیقت پسندانہ سی بات لگتی ہے۔

قصہ مختصر، سی پیک گیم چینجر نہیں ہے البتہ دوسرے راؤنڈ کے بعض ثمرات صوبے کی معیشت کے حصے میں ضرور آسکتے ہیں۔ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ سی پیک سے علاقائی عدم مساوات میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور بلوچستان میں محرومی کے احساسات شدت پکڑ جائیں گے۔ بلوچستان کے عوام اپنی ساحلی پٹی اور گوادر کو ایک اثاثہ سمجھتے ہیں جس سے پورے صوبے میں خوشحالی آئے گی۔ موجودہ صورتحال سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ گوادر بندرگاہ ایک داخلی مقام بن کر رہ جائے گی جس سے صوبے کے باقی علاقوں کو معمولی ثمرات ہی میسر آئیں گے۔

سی پیک ملکی ترقی کی حکمت عملیوں اور پروگراموں کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ سی پیک کی بدولت افزائش کی حقیقی استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے حکومت بلوچستان اور پاکستان کو متعدد اصلاحی اقدامات کرنا ہوں گے۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

الف کم سے کم حد تک امن معاشی ترقی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ استحصال اور ترقی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ریاست کو ایک حکمت عملی وضع کرنا ہو گی جس کے تحت بلوچ باغیوں کے ساتھ مفاہمت کی جائے اور صوبے میں پائیدار امن بحال کیا جائے۔

ب وفاقی حکومت اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے گوادر بندرگاہ کو افزائش کی استعداد رکھنے والے مقامات یعنی شمال مغرب میں معدنیات سے مالامال چاغی کے خطے، شمال میں واقع ہارٹیکلچر، زراعت اور معدنیات کے گڑھ اور مشرق میں زرعی سرگرمیوں کے مرکز کے ساتھ جوڑے اور ان کے درمیان رابطے بہتر بنائے۔

ج وفاقی حکومت مکران ریجن کو قومی گرڈ سے جوڑنے کے لئے بھی یقینی اقدامات کرے۔ علاوہ ازیں حکومت ایران سے سستی بجلی کی درآمد کے امکانات کا بھی جائزہ لے۔

د بلوچستان کی توانائی کی ترسیل اور جذب کرنے کی ضروریات کو کم ازکم دوگنا تک بڑھایا جائے تاکہ توانائی کی موجودہ مانگ کو پورا کیا جا سکے اور سی پیک کے ذریعے پیدا ہونے والی اضافی توانائی سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکے۔

ر حکومت بلوچستان اپنے کان کنی کے شعبے کو ترقی دینے اور اہم ریگولیٹری اور ڈھانچہ جاتی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ایک جامع منصوبہ اور حکمت عملی وضع کرے۔ سرکاری اور نجی شعبے سے مختلف شعبوں میں تجربہ رکھنے والے افراد پر مشتمل منرل ڈویلپمنٹ بورڈ تشکیل دیا جائے جو سٹریٹجک سمت کے تعین اور نگرانی کا کام دے سکے۔

ز حکومت بلوچستان صوبے میں مجموعی کاروباری ماحول کو بہتر بنانے کے لئے اصلاحات کا آغاز کرے اور اسے نجی سرمایہ کاروں کے لئے زیادہ سازگار بنائے۔

س حکومت بلوچستان شمسی توانائی اور ونڈ انرجی کی استعداد جسے تاحال بروئے کار نہیں لایا گیا، کو کام میں لانے کے لئے جامع حکمت عملی تشکیل دے۔

ش حکومت بلوچستان اور پاکستان بالخصوص گوادر اور بحیثیت مجموعی صوبے کی سماجی ترقی اور غربت میں کمی کے لئے وسائل مختص کریں۔ اس میں مہارتوں کی ترویج، ذرائع معاش میں معاونت، اور پینے کے پانی کی فراہمی کے پروگرام شامل ہو سکتے ہیں۔

بلوچستان کا سماجی شعبہ

پروفیسر ڈاکٹر رخسانہ جبیں

وائس چانسلر

سردار بہاؤ الدین ویمنز یونیورسٹی، کوئٹہ

بلوچستان اور ملک کے دیگر علاقوں کے درمیان بالخصوص سماجی شعبے کے اعتبار سے شدید عدم مساوات اور فرق پایا جاتا ہے۔ صوبوں اور ریجنز میں آزاد جموں وکشمیر کو ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس (ایچ ڈی آئی) سب سے بلند 0.734 ہے اور یہ پنجاب سے بھی آگے ہے جس کا ایچ ڈی آئی 0.732 ہے جس کے بعد سندھ اور خیبر پختونخواہ آجاتے ہیں جن کا ایچ ڈی آئی بالترتیب 0.640 اور 0.628 ہے۔ اس وقت فاٹا کا ایچ ڈی آئی پاکستان میں سب سے کم یعنی 0.216 ہے اور اس سے پہلے بلوچستان اور گلگت بلتستان کا ایچ ڈی آئی سکور بالترتیب 0.421 اور 0.523 ہے (شکل 1)۔ [1] ان اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے باقی علاقوں کے ساتھ موازنہ کریں تو صوبے کی صورتحال کافی سنگین ہے۔ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں نمایاں سرمایہ کاری کی ضرورت ہے تاکہ صوبے کی معاشی ترقی کو آگے بڑھانے کے لئے درکار انسانی وسماجی سرمایہ کی پیداوار ممکن ہو۔

صوبے کا سماجی شعبہ سالہاسال سے چشم پوشی کا شکار رہا ہے۔ تعلیم اور صحت کے شعبے حکومتی ایجنڈا کی ترجیحات میں نیچے رہے ہیں۔

41 فیصد کی شرح خواندگی کے ساتھ یہ صوبہ تعلیم کے میدان میں دوسرے صوبوں سے کہیں پیچھے دکھائی دیتا ہے کیونکہ پنجاب میں شرح خواندگی 62 فیصد، سندھ میں 55 فیصد اور خیبر پختونخواہ میں 53 فیصد ہے۔ [2] پورے صوبے کے 22,000 سے زائد آباد علاقوں کے لئے 12,600 پرائمری، مڈل اور ہائی سکول ہیں۔ 3.6 ملین میں سے 2.3 ملین بچے سکول سے باہر ہیں اور ان حالات میں صوبے میں مزید دس ہزار سکول بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہاں بچوں کو تعلیم کی فراہمی یقینی بنائی جا سکے۔ سرکاری اساتذہ کی تعداد یہاں 57,000 ہے جبکہ مزید 60,000 اساتذہ کی ضرورت ہے۔ [3] اصل شرح داخلہ (Net Enrollment Rate) اور خام شرح داخلہ (Gross Enrollment Rate) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچستان سب سے پیچھے ہے (شکل 2، 3)۔ [4]

شکل 1: ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس: صوبوں کا موازنہ

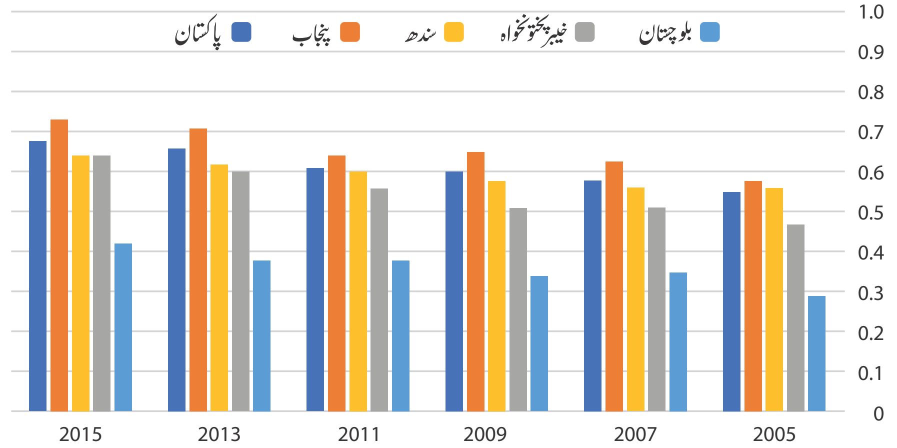

شکل 2: اصل شرح داخلہ

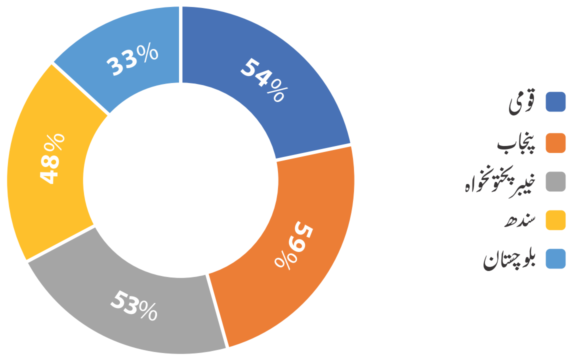

شکل 3: خام شرح داخلہ

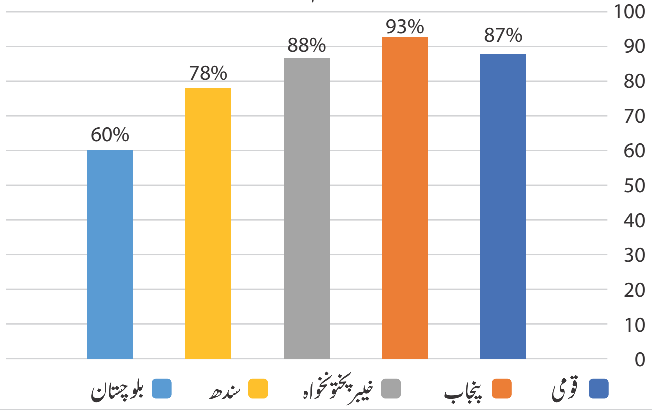

1 اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (2017)، 'پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس رپورٹ'، جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/HDR/HDI%20Report_2017.pdf

2 فجر ندیم (2018)، Literacy in Balochistan، جو یہاں سے دستیاب ہے: https://voiceofbalochistan.pk/opinions-and-articles/social-development/illiteracy-in-balochistan/

3 اس پیراگراف میں دیئے گئے اعداد وشمار سید فضل حیدر کی تحریر (2018) بعنوان Health and Education: Key Issues Confronting Balochistan، سے لئے گئے ہیں۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pakistaneconomist.com/2018/11/12/health-and-education-key-issues-confronting-balochistan/

4 دی نیوز (2018)، Pakistan's literacy rate stands at 58pc۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.thenews.com.pk/print/309542-pakistan-s-literacy-rate-stands-at-58pc